
نزہت جبیں ضیاء
عیدی چاند ستاروں کی

وہ روز ہوتا گیا پاس میرے
لیکن پھر بھی دوری ذرا سی تھی
محبت بانٹ دی اس نے زمانے میں لیکن
جو میرے حصے میں آئی وہ محبت ذرا سی تھی

"وہاں......؟ نو مما یہ ممکن نہیں ہے۔ آپ پاپا سے کہہ دیں مجھے کہیں نہیں جانا' آپ لوگوں کو جانا ہے تو چلے جائیں گھر میں...... میں وہاں جا کر اپنی عید خراب نہیں کرسکتی۔" افرحہ نازش کی بات پر بُری طرح جھنجلا کر حتمی انداز میں بولی۔

"کیا...... پاگل ہوگئی ہو تم میں وہاں جاؤں گی مائی فٹ۔ جہاں سے میں بے عزت کرکے نکالی گئی اور تمہارے پاپا کی ہمت بھی نہیں کہ مجھے جانے کے لیے کہیں۔" نازش کے لہجے میں حقارت تھی۔

"کچھ بھی ہو مما! مجھے نہیں جانا' اچانک سے اتنی محبت جاگ گئی ہماری دادی محترمہ کے دل میں۔" اس بار افرحہ کے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔

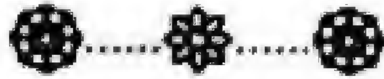
"ارے بیٹا! تمہاری دادی کی طبیعت خراب ہے اور شاید بس نکلنے والی ہیں۔" نازش نے مضحکہ انداز اپنایا۔

"بس دو چار دنوں کی بات ہے اور تمہیں تو کم از کم ان کی دولت میں سے کچھ نہ کچھ ملنا چاہیے۔"

"افوہ مما......!" افرحہ جھنجلا گئی۔ "کچھ نہیں چاہیے مجھے' ہمارے پاس کمی ہے کیا؟" وہ بدستور انکار کیے جارہی تھی۔

"ارے بے بی! چلو تم ایک دو دن میں ہی بیماری کا بہانہ کرکے لوٹ آنا' تمہارے پاپا نے بیس سال میں پہلی بار ایسی بات کی ہے اور بقول ان کے دادی تم سے ملنا' تم کو دیکھنا چاہتی ہیں اس لیے تم چلی جاؤ۔" نازش کے اصرار پر افرحہ بس منہ بنا کر رہ گئی' مما کی بات ٹالنا بھی اس کے لیے ممکن نہ تھا۔

بچپن سے لے کر آج تک افرحہ نے نازش کی زبانی اپنے ددھیال کی صرف اور صرف برائیاں ہی سنی تھیں۔ دقیانوسی بیک ورڈ' جاہل لوگ اور اس کے ساتھ سسرال والوں کا ظالمانہ سلوک جیسے کہ افرحہ ڈراموں اور موویز میں دیکھا کرتی تھی۔ اس لیے افرحہ کو اپنے ددھیال سے شدید نفرت تھی' ذرہ برابر بھی وہ لگاؤ نہ تھا جو عموماً خونی رشتوں میں ہوتا ہے اس نے تو کبھی دادو' پھوپو' تایا' تائی کی فوٹو تک نہ دیکھی تھی اور نہ ہی دیکھنے کی خواہش تھی تو اب بھلا اچانک سے وہ وہاں کیسے چلی جاتی وہ بھی اکیلی رہنے کے لیے عید کے موقع پر اور سب سے بڑی بات کہ گاؤں دیہات کا ماحول اور پھر عید پر اپنے فرینڈز کے بغیر کیسے مزا آتا' اسے تو عادت تھی عید پر فرینڈز کے ساتھ مل کر خوب اُدھم بازی کرنے' شاپنگ اور چاند رات کو بازاروں میں گھومنے کی بھلا یہ سب وہاں کہاں ہوتا۔ اس لیے اسے جب سے معلوم ہوا تھا اس پر شدید قسم کی جھنجلاہٹ سوار تھی' مما کے اصرار پر اسے بادل نخواستہ جانے کی تیاری کرنی پڑی کیونکہ مما کی بات پاپا نے کبھی بھی نہ ٹالی تھی وہ تو پھر اولاد تھی۔



صغیر احمد' بصیر احمد اور نویدہ تینوں بہن بھائی حلیمہ بیگم کے ساتھ بڑے سے حویلی نما مکان میں رہتے تھے۔ مختار احمد کا انتقال ہوچکا تھا' یہ لوگ پنجاب کے دیہی علاقے میں رہتے تھے جو مختار احمد کے آباؤ اجداد کی زمینیں تھیں'

یہاں پر ان کے کھیت تھے زمینیں تھیں' آم سنگترے اور چیکو کے باغات تھے اس کے علاوہ سبزیاں بھی اُگائی جاتی تھیں' اچھا خاصا متمول گھرانہ تھا۔ اس کے باوجود مختار احمد اور حلیمہ بیگم انتہائی سادہ مزاج' پرخلوص اور رحم دل تھے۔ ہاری' کسانوں کے ساتھ' گاؤں کے لوگوں کے ساتھ ہمیشہ ہمدردانہ رویہ رکھتے' ان کا خاص خیال رکھتے۔ گاؤں کے لوگ بھی ان لوگوں کی بہت عزت کرتے تھے۔ حلیمہ بیگم گو کہ ان پڑھ خاتون تھیں' مگر سمجھ دار اور دینی معاملات میں کافی معلومات رکھتی تھیں۔ ان کے ہاں شادیاں خاندان میں ہی کی جاتی تھیں اس لیے حلیمہ بیگم نے صغیر احمد کے لیے اپنے سسرال میں رقیہ بیگم کو دلہن بنا کرلانے کا سوچا تھا' جب کہ نویدہ اور بصیر احمد کا رشتہ اپنے بھائی کے گھر وٹہ سٹے میں طے کررکھا تھا' یہ رشتے بچپن سے طے تھے۔ صغیر احمد نے تو میٹرک تک پڑھائی کی پھر اپنی زمینیں اور کھیتوں کا کام سنبھال لیا تھا مگر بصیر احمد کو پڑھنے کا شوق تھا' اس لیے وہ میٹرک کرنے کے بعد شہر کے کالج میں ایڈمیشن لے کر ہوسٹل میں رہنے لگے' جب کہ نویدہ نے گاؤں کے اسکول سے بس آٹھویں تک تعلیم حاصل کی پھر امور خانہ داری میں مصروف ہوگئی۔ کھانا پکانا' سلائی کڑھائی' ان تمام کاموں میں پرفیکٹ تھی' اس کو اپنا ماموں زاد فاضل بچپن سے ہی پسند تھا۔ فاضل کی بہن یشمہ تھی جو بصیر احمد کی منگیتر تھی۔

صغیر احمد کی شادی ہوگئی رقیہ بیگم بھی اچھی خاتون تھیں' دل سے ساس' نند کا احترام کرتی تھیں۔ بصیر احمد امتحانات سے فارغ ہوکر گھر آئے تو حلیمہ بیگم نے گلے لگاتے ہوئے انہیں غور سے دیکھا۔

"ہائے میرا لعل! کتنا کمزور ہوگیا ہے' یہ پڑھائی نے تو تیرا خون نچوڑ کے رکھ دیا سارا اور اوپر سے شہر میں کوئی خاص کھانا بھی تو نہیں ملتا ناں' سارا اُلٹا سیدھا اور بدمزہ کھانا کھا کھا کر کیسا پیلا ہوگیا ہے۔ بس 14 پڑھ لی ناں...... اب نہیں جانے دوں گی تجھے۔" حلیمہ بیگم نے فیصلہ سنایا۔

"ارے نہیں اماں جی! ابھی تو میں نے اور پڑھنا ہے یہاں آکر اپنے گاؤں کے لیے کام کرنا ہے' یہاں کے رہنے والوں کے لیے سہولتیں نکالنی ہیں مجھے۔" بصیر احمد جلدی سے بولے۔

"پھر میری اور گڑیا کی شادی بھی ہوجائے گی خوب دھوم دھام سے۔" بصیر احمد نے قریب بیٹھی نویدہ کا سر پیار سے ہلاتے ہوئے کہا تو نویدہ شرما گئی۔ حلیمہ بیگم زیرلب مسکرادیں۔

"مگر بیٹا! تیرے ماموں شادی کا کہہ رہے تھے۔" حلیمہ بیگم نے کہا۔

"اماں! ابھی ہماری نویدہ سولہ سال کی ہوئی ہے بس دو تین سال کی بات ہے اور یشمہ بھی تو صرف پندرہ سال کی ہے۔" رقیہ بیگم نے بات میں حصہ لیتے ہوئے دیور کی حمایت میں کہا۔

"چلو جیسے تم لوگوں کی مرضی۔" حلیمہ بیگم نے سر ہلا کر کہا۔ "بس میری دونوں بہوئیں ایک ساتھ رہیں' میری دھی اپنی گھر کی ہوجائے تو مجھے سکون نصیب ہو اور تمہارے بابا کا ارمان بھی پورا ہوجائے۔" شوہر کا ذکر کرتے ہوئے حلیمہ بیگم آبدیدہ ہوگئیں۔

"ارے اماں سب ہوجائے گا' ان شاء اللہ تعالیٰ۔" بصیر احمد نے اماں کو کاندھوں سے تھام کر تسلی دی۔

❀......❀......❀

یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہورہے تھے' خاصی گہما گہمی اور افراتفری کا عالم تھا۔ آج فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ تھی۔ بصیر احمد اپنے دوست ابتسام کے ساتھ بنچ پر بیٹھے تھے کہ سامنے سے آتی ہوئی حواس باختہ لڑکی کو دیکھا وہ خاصی پریشان تھی۔

"ایکسکیوزمی! آپ لوگوں کو یہاں کوئی فارم تو نہیں ملا؟" لڑکی نے قریب آکر پوچھا اس کی خوب صورت موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

"پتا نہیں فائل کے اندر سے میرا فارم کہاں گر گیا۔"

"اوہ......" بصیر احمد نے پریشانی کا اظہار کیا' انہیں

لڑکی پر ترس آرہا تھا۔

"مگر آج تو لاسٹ ڈیٹ ہے اگر فارم نہ ملا تو میں کیا کروں گی؟" آنسو پلکوں سے چھلکنے لگے۔

"آپ پریشان نہ ہوں' ہم دیکھتے ہیں آپ یہاں بیٹھیں۔" بصیر احمد نے اٹھ کر اس کو بیٹھنے کے لیے کہا۔

بصیر احمد ابھی آگے چل کر تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ سامنے سے ان کو وقار آتا دکھائی دیا اس کے ہاتھ میں فارم تھا۔

"یار کسی لڑکی کا فارم گیٹ پر سے ملا ہے مجھے۔" وہ خود سے بولا۔ "اب تلاش کررہا ہوں کہ اسے دے دوں۔"

"ارے یار وہ لڑکی تو وہاں بیٹھی ہے بے چاری خاصی پریشان ہے رو رہی ہے لاؤ دو۔" بصیر احمد نے لپک کر فارم اس کے ہاتھ سے لیا اور تیزی سے واپس پلٹے۔

"اوہ تھینک یو سو مچ..... تھینک یو سو مچ....." لڑکی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ بصیر احمد کا شکریہ کیسے ادا کرے۔

"میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں؟"

"زیادہ نہیں محترمہ بس چار عدد سموسے اور دو پیپسی۔" ابتسام نے شرارتی لہجے میں کہا۔

"میں..... میں نازش ہوں آپ.....؟" اس نے اپنا تعارف کروا کر باری باری دونوں پر سوالیہ نظریں ڈالیں۔

"میں ابتسام یہ بصیر احمد....." ابتسام جلدی سے بولا۔

"اوہ گڈ..... او کے ابتسام! آپ لوگ یہاں ٹھہریں میں ابھی آکر آپ لوگوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔" نازش نے مسکراتے ہوئے کہا اور فارم لے کر آگے بڑھ گئی۔

"یار چیز تو اچھی ہے۔" ابتسام نے حسب عادت آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

"چپ کر ہر ایک کو ایک ہی نظر سے مت دیکھا کر' کسی اچھی فیملی کی شریف لڑکی لگتی ہے۔" بصیر احمد نے اسے جھڑکا۔

"ہاں شریف کے ساتھ ساتھ خوب صورت بھی۔" ابتسام نے شرارت سے سر کھجاتے ہوئے کہا تو بصیر احمد ہنس دیا۔

دوسرے روز بصیر احمد اور ابتسام گھاس پر بیٹھے تھے کہ نازش آگئی۔

"السلام علیکم!" آتے ہی سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" دونوں نے جواب دیا۔

"کل آپ دونوں کہاں چلے گئے تھے؟" سوال کیا۔

"وہ دراصل اس نے کہا آپ خوامخواہ کے لارے دے رہی ہیں' ہم نے خود ہی 125 روپے کی قربانی دے دی کینٹین جاکر۔" ابتسام نے معصومیت سے بصیر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا....." نازش کھلکھلا کر ہنس دی۔ "چلیں مجھ سے لے لیں 125 روپے۔" بصیر احمد نے غور سے اس کے ملیح چہرے کی جانب دیکھا کتنی بھرپور اور دلکش ہنسی تھی اس کی۔ خوب صورت گلابی تراشیدہ ہونٹوں کے پیچھے سے جھانکتے سفید چمک دار موتیوں جیسے دانت اس کی ہنسی نے اسے اوروں سے مختلف بنادیا تھا۔

"بیٹھ جائیں۔" ابتسام نے آفر کی۔

"شکریہ۔" کہہ کر وہ ساتھ بیٹھ گئی۔

نازش نے بتایا کہ اس کے پاپا شہر کے مشہور بزنس مین شیخ سلیم ہیں' ایک بڑی بہن شادی شدہ ہے جو امریکہ میں رہتی ہے اب گھر میں وہ اور مما پاپا ہیں۔

بصیر احمد اور ابتسام نے اپنی اپنی فیملیز کے بارے میں بتایا وہ بھی ان دونوں کے ڈیپارٹمنٹ میں تھی' یوں ان تینوں کا ٹرائی اینگل بن گیا۔ ابتسام غریب فیملی سے تعلق رکھتا تھا' والد گورنمنٹ ملازم تھے' چار بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا فطرتاً جولی اور پڑھائی میں تیز تھا۔ نازش اور بصیر احمد ایک جیسے تھے اس لیے نازش کا جھکاؤ بصیر احمد کی جانب تھا۔ نازش اور بصیر احمد غیر محسوس طریقے سے ایک دوسرے کے قریب آتے گئے۔

نازش بے باک اور ماڈرن فیملی سے تعلق رکھتی تھی اسی لیے وہ بصیر احمد سے بہت کلوز ہوچکی تھی اس کی باتوں سے بصیر احمد نے محسوس کیا کہ جیسے وہ انہیں پسند کرنے لگی ہے۔ ایک لمحے کے لیے ان کو پشمہ یاد آئی' دوسرے لمحے

نازش کی موجودگی انہیں حال میں واپس لے آئی۔ اکثر شامیں بھی دونوں کی ساتھ ساتھ گزرنے لگیں۔ ان دونوں کا آپس میں اس طرح فرینک ہونا ابتسام کو اچھا نہیں لگتا تھا کیونکہ اس کو بصیر احمد اور اس کی فیملی کے بارے میں سب کچھ علم تھا۔ ایک دوبار اس نے بصیر احمد کو سمجھانے کی بھی کوشش کی کہ نازش ایک بے باک لڑکی ہے ایسا نہ ہو کہ آگے کوئی پرابلم کھڑی ہوجائے اور تمہارے اور تمہاری فیملی کے لیے مشکلات پیدا ہوجائیں۔

''ارے یار! تو تو پاگل ہے اگر ہم ساتھ گھومیں پھریں' میں اس کے گھر چلا جاؤں یا ہم لنچ' ڈنر یا شاپنگ ساتھ کرلیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم شادی بھی کرلیں۔'' ابتسام کی بات پر بصیر احمد کو غصہ آ گیا تھا۔

''نہیں یار میرا یہ مطلب نہیں ہے' بس میں تو تجھے سمجھانے کی کوشش کررہا تھا۔'' ابتسام نے دھیمے لہجے میں وضاحت دی۔

دن گزرتے رہے' اس دوران صغیر احمد کے یہاں راقب پیدا ہوا' بصیر احمد کو پتا چلا تو جھٹ سے چھٹی لے کر بھاگا بھاگا گھر آ گیا۔ ننھے راقب کو دیکھ کر بہت خوش تھا' اماں نے خوب خوشیاں منائیں' پوتے کی آمد پر بہت خوش تھیں۔ نویدہ بھی بہت خوشی خوشی مٹھائیاں بانٹ رہی تھی۔ اماں نے اسے کہہ دیا تھا کہ جلدی سے پیپر دے کر آ جائے تو پھر وہ اس کی اور نویدہ کی شادی کے فرض سے بھی سبکدوش ہوجائیں۔ شادی کے نام پر ہمیشہ کی طرح بصیر احمد کی نگاہوں میں پشمہ کا شرمایا چہرہ نہ آیا بلکہ اچانک سے نازش کا خیال آ گیا کیوں کہ نازش ہر لحاظ سے پرفیکٹ تھی اور اس کے ساتھ ہم قدم ہوکر چل بھی سکتی تھی۔ پہننے اوڑھنے' کھانے پینے اور زندگی گزارنے کے جدید طریقوں سے آشنا تھی۔ بصیر احمد واپس شہر چلا آیا' بس پڑھائی کے آخری مراحل چل رہے تھے۔

نازش دودن سے یونیورسٹی نہیں آ رہی تھی' دو دن بعد آئی تو خاصی چپ چاپ سی تھی۔

''کیا ہوا..... گھر میں سب خیریت ہے ناں؟'' بصیر احمد نے اس کے بجھے بجھے چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں؟'' وہ بولی

''کیوں کیا ہوگیا؟'' بصیر احمد نے پریشان ہوکر سوال کیا۔

''پاپا کے دوست کی فیملی امریکہ سے آئی ہے اور پاپا دوست کے بیٹے سے میری شادی کرنا چاہتے ہیں۔'' اس کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔

''اچھا.....'' بصیر احمد نے نارمل لہجے میں کہا۔

''تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' نازش نے ایک گہری نظر ڈال کر سوال کیا۔

''کیا مطلب؟'' بصیر احمد گڑبڑا گئے' شاید دل میں کہیں نہ کہیں انہیں بھی درد ہوا تھا۔

''بصیر احمد...... میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں اور.....اور میں نے مما سے بات بھی کرلی ہے۔''

''کیا.....؟'' بصیر احمد نے اس کی آنکھوں میں دیکھا' بصیر احمد کا دل عجیب انداز میں دھڑکا تھا۔ ایک خواہش' انجانے جذبے سے جنم لینے لگے تھے۔

''افوہ.....'' بصیر احمد نے سر جھٹکا' پشمہ کہیں دور کھڑی نظر آئی۔ ''ہاں بصیر میں..... میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں اور..... اور..... میں تمہارے بنا نہیں رہ سکتی۔'' بصیر احمد مکمل طور پر گڑبڑا گیا تھا' دل میں کہیں نہ کہیں نازش کو پالینے کی تمنا ضرور تھی۔ خوب صورت' امیر اور ماڈرن نازش کسی بھی لڑکے کی خواہش ہوسکتی تھی۔ تب ایک لمحے میں ہی بصیر احمد نے سابقہ تمام رشتوں پر یہ کچھ عرصے پہلے قائم ہونے والے رشتے کو ترجیح دے ڈالی کیونکہ ان کو اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا پورا پورا حق تھا' انہوں نے حلیمہ بیگم سے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

''پاگل ہوگیا ہے بصیر احمد..... دماغ خراب ہوگیا ہے تیرا..... یہ کیا بکواس کررہا ہے۔ پتا ہے تجھے پشمہ تیری بچپن کی منگ ہے' وہ اس گھر میں آئے گی تب ہی تیری بہن کی ڈولی اٹھے گی۔ تین تین زندگیاں خراب کرنے کا سوچا بھی کیسے؟'' حلیمہ بیگم کا غصہ عروج پر تھا۔

"اماں یہ کوئی قانونی اور شرعی حیثیت نہیں ہے کہ رشتے بچپن میں طے ہوجائیں یا ہم وٹہ سٹہ کریں۔ یہ سب ہماری اپنی بنائی ہوئی پابندیاں اور رشتے ہیں اور ضروری نہیں کہ جو برسوں سے ہوتا چلا آرہا ہے اب بھی ویسا ہی ہو بشمہ اور نویدہ دونوں ہی کم عمر ہیں، حسین ہیں ان کا کہیں بھی رشتہ ہوسکتا ہے۔"

"بکواس نہ کر چپ کر جا......" حلیمہ بیگم غصے سے کانپنے لگیں۔ "دو دو لڑکیاں برسوں سے آس لگائے، سپنے سجائے بیٹھی ہیں اور تو کتنی آسانی سے بک بک کیے جارہا ہے۔ شرم نہیں آتی تجھے؟" حلیمہ بیگم کی چیخ و پکار سن کر سب لوگ دوڑے چلے آئے یہاں کی صورت حال سب کے لیے غیر یقینی اور غیر متوقع تھی۔ نویدہ اگر دیوار کا سہارا نہ لیتی تو یقیناً تیورا کر گر جاتی۔ رقیہ بیگم ننھے راقب کو سینے سے لگائے تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ صغیر احمد نے آگے بڑھ کر بھرپور طمانچہ بصیر احمد کے گال پر جڑ دیا۔

"بھ...... بھائی......" بصیر احمد گال پر ہاتھ رکھے بھائی کی شکل دیکھتے رہ گئے۔

"بے غیرت، بے حیا یہ سب کچھ سیکھا ہے تو نے پڑھ لکھ کر آج ماں کے سامنے زبان چل رہی ہے اور وہ...... وہ بھی ایسی بات...... تجھے تیری پڑھائی نے یہ سکھایا ہے۔ اپنے رسم و رواج اور روایات کو پیروں تلے روند ڈالو اسی لیے تجھے خود سے دور بھیجا تھا کہ تو عشق لڑاتا پھرے۔ نکل جا گھر سے ہمارے، تجھے پتا نہیں تیری بہن گھر بیٹھی ہے۔ کوئی معصوم لڑکی تیری آس لگائے برسوں سے تیرا انتظار کررہی ہے۔"

"بھائی...... بھائی......" صغیر کو اس قدر بے قابو دیکھ کر نویدہ تڑپ کر آگے بڑھی۔ "بھائی میرے ویر کو نہ مارو اگر یہ پسند سے شادی کرنا چاہتا ہے تو کرلے، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میرے بھائی کو گھر سے نہ نکالو میں مرجاؤں گی......" وہ ہذیانی انداز میں بولی۔

یہ کیسا رشتہ تھا، ایک بہن کا پیار تھا اور وہ...... وہ ایک بھائی کی خواہش...... حلیمہ بیگم صغیر احمد اور رقیہ، نویدہ کی حالت دیکھ کر تڑپ کر اس کی جانب دوڑے اور پھر جیسے سب نے ہتھیار ڈال دیئے مگر ایسا کرتے ہوئے حلیمہ بیگم اور نویدہ جس کرب و تکلیف سے گزری تھیں یہ صرف وہی جانتی تھیں۔ حلیمہ بیگم کے بھائی کو پتا چلا تو انہوں نے سارے رشتے ختم کرڈالے سارے خاندان میں تھوتھو ہوگئی اور سب سے ناطے ختم ہوگئے۔

وہ دن حلیمہ بیگم کے لیے کسی قیامت سے کم نہ تھا کہ جب سارے رشتہ داروں سے ناطہ توڑ کر وہ مختصر سا سامان لے کر بصیر احمد کی شادی کی غرض سے شہر آگئیں۔ نازش کے مما پاپا کو بصیر احمد کی فیملی بالکل پسند نہ آئی تھی مگر وہ بیٹی کی پسند تھا اور پھر بیٹی کو کون سا فیملی سے روابط رکھنے تھے اسے تو بصیر احمد سے مطلب تھا اور کچھ عرصے بعد تو اسے شہر ہی لوٹ آنا تھا۔ نازش کے مما پاپا کی ڈھیر ساری جائیداد سب کچھ نازش کا ہی تو تھا۔

نویدہ جانے کسی مٹی کی بنی ہوئی تھی وہ جس طرح خوشی خوشی بھائی کی شادی کی تیاریاں کررہی تھی کہیں سے بھی ظاہر نہ ہوتا کہ اسے بچپن سے جڑے رشتے کے ٹوٹنے کا کوئی غم ہے اور پھر غضب تو اس بات کا تھا کہ اور کوئی رشتہ نویدہ کے لیے تھا ہی نہیں۔ نازش کے مما پاپا نے خوب دل کھول کر پیسہ خرچ کیا، وہ لوگ کچھ دن ہوٹل میں رہے پھر نازش کو لے کر بصیر احمد اپنی حویلی نما بڑے سے گھر میں آگئے۔ نویدہ اور رقیہ نے خوب اچھی طرح سے گھر میں دلہن کا استقبال کیا، حلیمہ بیگم گو کہ بالکل خوش نہ تھیں مگر بیٹے کی خوشی کے آگے خاموش تھیں اور اپنے رویے سے کسی قسم کی بیزارگی کا اظہار نہیں کررہی تھیں۔

نازش بیگم کی پسند کا خیال رکھنے کی کوشش میں گھر کو اور ان کے کمرے کو سیٹ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ نازش بیگم کی ایک ایک حرکت سے تفاخر نمایاں تھا۔ یہاں پر سب لوگ صبح جلدی فجر کی نماز سے اٹھے ہوتے لیکن نازش بیگم کی صبح گیارہ بجے سے پہلے نہیں ہوتی تھی۔ حلیمہ بیگم کچھ دن تو چپ رہیں پھر انہیں یہ بات اچھی نہیں لگی کیونکہ برآمدے میں نویدہ کی سہیلیاں جمع ہوجاتی تھیں

پھر یہ لوگ مل کر سلائی اور کڑھائی کرتے۔

اس روز بھی صبح ناشتے سے فارغ ہو کر رقیہ بیگم دوپہر کے کھانے کی تیاری میں لگ گئیں۔ راقب حلیمہ بیگم کے پاس تھا' نویدہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھ کر کڑھائی کررہی تھی' ساتھ ساتھ وہ لوگ آپس میں ہنسی مذاق بھی کررہے تھے۔

''افوہ! کتنا شور کررہے ہو تم لوگ' مچھلی بازار بنا رکھا ہے۔'' اچانک کمرے کا دروازہ کھلا نازش دروازے میں کھڑی بدتمیزی سے کہہ رہی تھی۔ لڑکیوں کی ہنسی یک دم رک گئی بے ساختہ سب کی نظریں اٹھیں اور فوراً ہی جھک گئیں کیونکہ نازش مہین سلیولیس نائٹی میں نیند سے بوجھل آنکھیں لیے کھڑی تھی۔

''سکون سے سونا بھی نصیب نہیں ہے یہاں تو۔'' کہہ کر بدتمیزی سے دھاڑ سے دروازہ بند کرکے وہ واپس اندر چلی گئی۔ نویدہ منہ پھاڑے بند دروازے کو دیکھتی رہی اور اپنی سہیلیوں کے سامنے شرمندگی محسوس کررہی تھی' ایسا کیا کردیا ہم نے وہ معصومیت سے سوچنے لگی۔

حلیمہ بیگم کا غصہ بھی نازش کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا ویسے بھی حلیمہ بیگم زیادہ غصہ کرتی بھی نہیں تھیں کیونکہ وہ دیکھ رہی تھیں کہ بصیر احمد نے اپنے دل' دماغ اپنی سوچ اور اپنی زبان تک نازش بیگم کے پاس رکھ دی تھی۔ لگتا تھا کہ نازش کانچ کی گڑیا ہو لفظ کی چوٹ بھی سہہ نہ پائے گی۔ اسے تو سنبھال سنبھال کر رکھتے تھے محبت ہی اتنی تھی اپنی حسین وجمیل بیوی سے۔ وہ اچھی لڑکیاں جو اپنا گھر سب کے ساتھ مل کر بسانا چاہتی ہیں' اپنے نئے رشتوں کے بھرم رکھنا جانتی ہیں۔ سسرال میں اپنے شوہر سے وابستہ تمام رشتوں کا تقدس رکھتی ہیں' ان کے سکھ دکھ شیئر کرتی ہیں۔

وہ بجائے یہ کہ اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق دوسروں کو ڈھالنے کوشش کریں' وہ خود کو نئے ماحول' نئے گھر اور نئے رسم ورواج میں ڈھل جاتی ہیں' پیار لیتی ہیں' پیار دیتی ہیں۔ اپنے آرام کو دوسروں کے آرام پر قربان کردیتی ہیں لیکن سب کچھ وہ لڑکیاں کرتی ہیں جو رشتوں کا پاس رکھنا جانتی ہیں۔ وہ اپنا رشتہ صرف شوہر سے نہیں رکھتیں بلکہ شوہر سے تعلق رکھنے والے تمام لوگوں کا' لیکن نازش...... نازش ان لڑکیوں سے قطعی مختلف تھی اسے صرف اور صرف شوہر سے غرض تھی اس کے لیے گھر اور گھر والوں سے کوئی لگاؤ تھا نہ دلچسپی...... نہ یہاں کا ماحول پسند تھا نہ یہاں کے لوگ اس کو تو بصیر احمد کے حسن نے متاثر کیا تھا۔ محبت ہوئی اور شادی کرلی اور مما نے بھی اس شرط پر اس کی شادی کی تھی چند دنوں میں بصیر احمد کو یہاں لے آنا تاکہ تمہارے بابا کا کاروبار سنبھال لیں گو کہ بصیر احمد کے پاس بھی دولت کی کمی نہ تھی مگر نازش کو یقین تھا کہ وہ اپنا سارا کچھ سمیٹ کر یقیناً شہر چلا جائے گا کیوں کہ بصیر احمد نے بچپن کے دو دو رشتے ختم کرکے اپنے گھرانے کو خاندان بھر سے کٹوا کر جب نازش کو اپنا لیا تھا تو اب وہ نازش کے لیے کچھ بھی کرسکتا تھا۔

پشمہ کا رشتہ تو کہیں اور طے ہوچکا تھا' مگر نویدہ بے چاری کا نہ جوڑ تھا اور نہ رشتے داروں میں کوئی باقی بچا تھا۔ بصیر احمد بھی کبھی نویدہ کو دیکھ کر شرمندہ سے ہوجاتے مگر نویدہ نے کبھی بھی کسی بھی بات پر کسی بھی حرکت سے کچھ ظاہر نہ ہونے دیا' ہمیشہ ہنستی مسکراتی اور بھائی بھاوج کی آؤ بھگت میں ہی لگی رہتی۔ رقیہ بھی دیورانی کا خاص خیال رکھتیں کہ وہ شہر سے آئی لاڈلی اور بہت بڑے گھر کی ہے اسے کوئی بات بُری نہ لگ جائے۔ رقیہ اس کے لیے نئے نئے کھانے پکاتیں' بصیر احمد نے وقتی طور پر صغیر احمد کے ساتھ مل کر یہاں کی زمینوں اور کھیتوں کا کام سنبھال لیا تھا۔ نازش کو گھر کے کام کاج کی عادت تھی نہیں اس لیے وہ تو ہل کر پانی بھی نہیں پیتی تھی۔

نویدہ کو نازش بہت پیاری لگتی اس کا دل کرتا کہ وہ اپنی بھابی سے ڈھیر ساری باتیں کرے' مگر نازش سوائے بصیر احمد کے کسی کو گھاس ہی نہیں ڈالتی تھی۔ بصیر احمد گھر آتے تو ان کے ساتھ کچھ دیر کے لیے کمرے سے باہر آتی' لان میں گھومتی اور پھر اپنے کمرے میں بند ہوجاتی۔ اپنی مما

سے فون پر باتیں کرتی رہتی یا رسالے پڑھتی رہتی' کچن کی شکل تک دیکھنا گوارا نہ تھا۔

نوید ہ کی سہیلی کی شادی تھی' وہ تیار ہوئی جامنی کلر کا ستاروں والا سوٹ پہن کر لمبے بالوں میں پراندہ ڈالا تب اسے یاد آیا کہ دو دن پہلے اسی کلر کی لپ اسٹک نازش نے لگائی تھی۔ نازش اور بصیر احمد باہر چہل قدمی کرنے گئے ہوئے تھے نوید ہ لپ اسٹک لگانے نازش کے کمرے میں آ گئی سامنے ہی ڈریسنگ ٹیبل پر لپ اسٹک رکھی تھی نوید ہ نے اٹھا کر ہونٹوں پر لگائی۔ اس کے خوب صورت گلابی ہونٹ مزید اچھے لگنے لگے' وہ لپ اسٹک رکھ کر جیسے ہی پلٹی سر پر نازش کھڑی تھی۔

''آ...... آپ......'' وہ چونک کر گڑبڑا گئی۔

''یہ کیا کر رہی ہو؟'' اس کے بھرے بھرے ہونٹوں پر چمکتی پرپل لپ اسٹک دیکھ کر نازش آپے سے باہر ہوگئی۔

''مجھے شادی پر جانا تھا' تو آپ کی......''

''شٹ اپ......'' نازش نے اس کی بات کاٹی۔ ''تم کو پتا نہیں ایک دوسرے کی چیزیں استعمال نہیں کرتے۔ تم تو جاہل ہو تم کیا جانو کہ جراثیم لگ جاتے ہیں۔'' نازش کے لہجے میں حقارت تھی۔

''وہ...... بھابی......'' نوید ہ کو رونا آ گیا' وہ سر جھکا کر پلٹی۔

''سنو......'' نازش نے بدتمیزی سے کہا اور لپ اسٹک اٹھا کر اس کی ہتھیلی پر پٹخی۔ ''یہ لو اب تم ہی رکھ لو' مجھے عادت نہیں کسی کی استعمال کی ہوئی چیز استعمال کرنے کی' سمجھیں تم؟'' نوید ہ نے بے بسی سے اسے دیکھا اور آبدیدہ ہو کر کمرے سے باہر نکل آئی' توہین کے احساس سے نوید ہ کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔ باہر آ کر اس نے لپ اسٹک کو دور پھینک دیا اور تولیہ سے اپنے ہونٹ رگڑ ڈالے' ہونٹوں کی جلن کے ساتھ ساتھ آنکھیں مزید جلنے لگیں۔ کس قدر بدتمیزی کی تھی نازش نے' کیا ہوا اگر لپ اسٹک لگائی تو وہ کمرے میں آ کر سسک پڑی تب ہی حلیمہ بیگم آ گئیں۔ نوید ہ نے جلدی سے آنکھیں رگڑ کر صاف کر ڈالیں' لیکن اس کی لال لال آنکھیں اور ہونٹوں کی بے ترتیب لپ اسٹک دیکھ کر حلیمہ بیگم گھبرا گئیں۔

''کیا ہو گیا......؟''

''وہ...... وہ اماں......'' اماں کو دیکھ کر ان کی گود میں منہ چھپا کر سسک پڑی۔ حلیمہ بیگم نازش کے کمرے میں پہنچ گئیں۔

''دلہن! اگر نوید ہ نے تمہاری سرخی لگالی تو ایسا کون سا طوفان آ گیا' میں تمہیں شہر سے اور منگوا دیتی۔'' حلیمہ بیگم نے غصے سے کہا۔

''اوہو! مطلب کہ چغلی لگادی گئی میری اور اگر آپ منگوا سکتی ہیں تو اپنی بیٹی کو منگوا کر دے دیں ناں اور آپ کو پتا ہے کہ ایک دوسرے کی چیز استعمال کرنے سے بیماریاں پھیلتی ہیں۔ مگر...... مگر یہ باتیں آپ لوگوں کو کیا معلوم ہوں گی' گاؤں دیہات کے لوگوں کو ایسی باتوں کا کہاں پتا ہوگا؟'' اس کے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔

''دلہن...... مت بھولو کہ تم بھی اسی گاؤں اور دیہات کا حصہ ہو۔'' حلیمہ بیگم اس کی بدتمیزی پر تلملا کر بولیں۔ حلیمہ بیگم سے وہاں مزید نہ رکا گیا اور وہ غصے سے واپس پلٹ گئیں' اپنے کمرے میں آئیں تو غصے سے کانپ رہی تھیں۔

''بہت بدتمیز لڑکی ہے' نہ بڑوں کا ادب' نہ چھوٹوں کا لحاظ جو منہ میں آئے بولتی چلی جاتی ہے۔''

''چھوڑیں اماں! شہر سے آئی ہے' پڑھی لکھی ہے ناں اس لیے چھوٹی چھوٹی باتوں کی احتیاط کرتی ہے' آپ غصہ نہ کرو یہ پانی پی لو۔'' رقیہ نے پانی سے بھرا ٹھنڈا گلاس ساس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اللہ تجھے خوش رکھے رقیہ! ایک تُو بھی ہے اور ایک وہ۔ کاش اس کی جگہ پشمہ ہوتی۔'' حلیمہ بیگم کے لہجے میں یاسیت تھی' وہ پشمہ کے خیال سے آبدیدہ ہوگئیں جو اپنے ننھیال میں بیاہی جا چکی تھی مگر نوید ہ حلیمہ بیگم نے دوپٹے سے آنکھیں صاف کیں۔

کچھ دن اور گزرے نازش کا رویہ ہنوز برقرار تھا' روکا

پھینکا اجنبی اور بدتمیز۔ صغیر احمد تو اس کی طرف دیکھتے بھی نہیں تھے۔ بصیر احمد کبھی کبھی نویدہ کو دیکھتے تو انہیں اس بات کا احساس ہوتا کہ شاید انہوں نے غلطی کردی۔ ننھا راقب تقریباً چار سال کا ہوگیا تھا اسکول جانے لگا تھا۔ اسے اپنی گوری گوری خوب صورت سی چاچی بہت اچھی لگتی تھی مگر چاچی تو اسے گھاس تک نہ ڈالتی تھی بلکہ اس سے دس گز دور رہتی' اسے ڈر لگتا کہ کہیں کوئی گندگی نہ کردے پانی نہ گرادے۔

اس روز راقب اسکول سے واپس آیا تو گھر میں پیارا سا سفید روئی جیسا بلی کا بچہ نظر آیا' راقب کو مانو بہت اچھی لگی وہ اس کو پکڑنے اس کے پیچھے دوڑنے لگا' بچہ بھی ادھر اُدھر بھاگ رہا تھا۔ بھاگتے بھاگتے بلی کا بچہ نازش کے کمرے کی طرف آ گیا' اسی وقت نازش بھی روم سے نکلی۔ بلی کے بچے کو دیکھ کر ڈر کے مارے بُری طرح اچھلی تو اس کا پیر سلپ ہوگیا۔

''ہاہاہاہا......'' ننھا راقب اس منظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا' بے ساختہ زور زور سے ہنسنے لگا۔

''پاگل...... بے وقوف...... جاہل......'' نازش کا پارہ اسے ہنستا دیکھ کر ایک دم ہائی ہوگیا' اس نے آگے بڑھ کر راقب کے نرم ملائم سفید گال پر ایک تھپڑ رسید کردیا۔ راقب اس اچانک تھپڑ سے گھبرا کر زور زور سے رونے لگا۔ سب لوگ بھاگے چلے آئے' راقب دوڑ کر دادی کی گود میں چڑھ گیا۔

''ارے بہو! کیا ہوگیا ہے تمہیں؟ بچہ ہے حد کردی تم نے' ننھے سے بچے کے پھول سے گال کو لال انگارہ بنادیا۔ بلی کا بچہ ہی تھا کوئی شیر تو نہیں تھا ناں۔'' حلیمہ بیگم سے ننھے راقب کا بلکنا برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

''حد تو یہاں پر نہیں ہے کسی بات کی' جب چاہے کوئی بھی دوسروں کی چیز بنا پوچھے استعمال کرلیتا ہے۔ انسان تو انسان جانور کے بچے بھی گھر میں دندناتے پھرتے ہیں نہ کوئی پرائیوسی ہے نہ کوئی رول اور طریقہ ہے زندگی میں۔'' نازش کہاں چپ رہنے والی تھی۔

''تم حد سے بڑھ رہی ہو۔'' حلیمہ بیگم کی برداشت بھی آخری حدوں پر تھی۔

''اماں...... اماں...... چلیں۔'' نویدہ نے نازش پر ایک نظر ڈالی اور حلیمہ بیگم کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے لے آئی کیونکہ نازش سے کچھ کہنا تو فضول تھا' وہ بدتمیز اور منہ پھٹ تھی۔ حلیمہ بیگم غصے سے کانپ رہی تھیں قدم قدم پر نازش تذلیل کرتی' بات بات پر جہالت کا طعنہ دیتی۔ حلیمہ بیگم اس کی زیادتیوں کو ہمیشہ نظر انداز کرتیں کہ گھر کا ماحول خراب نہ ہو۔ خاندانی روایات توڑ کر بیٹے کی خواہش کے آگے سر جھکادیا۔ بیٹی کی زندگی داؤ پر لگادی' نویدہ کو دیکھتیں تو سرد آہ بھر کر رہ جاتیں' نویدہ نے کتنی بڑی قربانی دی تھی بھائی کے لیے اور بھاوج اس سے بات تک کرنا بھی پسند کرتی تھی' اسے یہاں کے لوگوں سے کوئی مطلب نہیں تھا۔ مطلب تھا تو صرف بصیر احمد سے جس سے وہ محبت کرتی تھی۔

اس روز نازش نے بصیر احمد کے سامنے خوب ہنگامہ کیا کہ آج اگر میرا ہاتھ پیر ٹوٹ جاتا تو اس کا ذمہ دار کون ہوتا؟ آج بلی گھر میں آئی ہے کل کتا آجائے گا مجھ سے یہ سب کچھ برداشت نہیں ہوتا' میں یہاں ان کمفرٹیبل ہوں۔ عجیب چڑیا گھر کا ماحول ہے یہاں کا مجھے عادت نہیں ہے ایسے ماحول میں رہنے کی۔ ایڈجسٹ نہیں کرپاؤں گی' مجھے یہاں نہیں رہنا۔ مجھے شہر لے کر چلو۔''

''نازش! تم پاگل ہوگئی ہو' میں نے پہلے ہی اپنی روایات کے خلاف سارے خاندان سے ٹکر لے کر تم سے شادی کی ہے۔ میری وجہ سے میرے گھر والے' میری اماں اپنے میکے سے ناطہ توڑ چکی ہیں۔ میری بہن کنواری رہ گئی' ان لوگوں کے دل پر کیا گزرتی ہوگی لیکن کبھی بھی ان لوگوں نے اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا۔ ہمیشہ تمہارا خیال رکھا......''

''بس کرو بصیر احمد! کچھ بھی سہی مگر میرا یہاں پر رہنا مشکل ہے۔'' نازش نے اس کی بات کاٹی۔

''اور میرا یہ گھر چھوڑنا ناممکن ہے۔'' بصیر احمد نے بھی

بڑی ہمت سے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ نازش نے آنکھیں پھاڑ کر بصیر احمد کی جانب دیکھا۔

"نازش! میرا گھر، میری ماں، بھائی، بہن ان سب کا تعلق بھی میری ذات سے ہے، جس طرح تم میری زندگی ہو۔ اسی طرح یہ سب بھی میری زندگی کا اہم حصہ ہیں، تم میرے بغیر نہیں رہ سکتی اور میں تم سب کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تم کو میری معصوم بہن پر ترس نہیں آتا، کیا اس کے دل میں کچھ ارمان نہیں ہوں گے، اماں کے چہرے کو دیکھا تم نے کتنے دکھ، کتنی کہانیاں لکھی ہیں ان کے بوڑھے چہرے پر۔ وہ منہ سے کچھ نہ بولیں مگر ان کے دل پر کیا گزرتی ہوگی جب ان کو اپنے سگے بھائی، بہن یاد آتے ہوں گے، ان سب سے جدا کرنے والے ہم ہیں لیکن اماں نے کبھی بھی کسی بات پر کوئی طعنہ دیا، کوئی جملہ کہا۔ نہیں ناں، صرف ہماری محبت میں وہ اپنے سگے رشتوں کو چھوڑ بیٹھی ہیں اب تمہارا بھی فرض بنتا ہے کہ ان کے لیے کچھ نہ کچھ کرو۔ تم نے اب تک صرف اپنی مرضی کی زندگی گزاری ہے۔ کبھی اماں کے ساتھ بیٹھ کر پیار سے بات کی نہ کبھی نویدہ کے ساتھ کوئی بات کی، سب تم سے پیار کرتے ہیں۔ تم بھی ان سے ملنے کی، بات کرنے کی کوشش کرو گی تو سب اچھا لگنے لگا۔" بصیر احمد نے ملائمت سے سمجھایا، نازش نے خلاف توقع خاموشی سے بصیر احمد کی ساری باتیں سنی مگر اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ گھی سیدھی انگلی سے نکل تو جائے گا مگر ٹائم لگے گا تب اس نے فیصلہ کر لیا کہ کوئی نہ کوئی ایسی ترکیب ہو جس سے سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔

دو تین دن گزرے ہوں گے کہ ایک شام جب حلیمہ بیگم ہاقب کے ساتھ کھیل رہی تھیں، رقیہ اور نویدہ کچن میں رات کے لیے کھانا تیار کر رہی تھیں کہ نازش تنتناتی ہوئی اپنے کمرے سے باہر نکلی۔

"نویدہ.....نویدہ....." آواز میں تیزی تھی۔

"کیا ہوا؟" اس کے چہرے کی کرختگی اور لہجے کی تیزی پر سب لوگ چونک گئے۔

"کیا ہوا بھابی......" نویدہ کچن سے باہر آئی۔

"تم میرے کمرے میں آئی تھیں؟" تند لہجے میں سوال کیا۔

"جی آئی تھی جب بھائی کے کپڑے پریس کر کے لائی تھی تو......" نویدہ نے سادگی سے جواب دیا۔

"ہمنہہ......اور اس وقت میں نہانے گئی ہوئی تھی۔"

"جی......" نویدہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

"میرے کمرے میں سے ڈائمنڈ کی رنگ غائب ہے۔" اس کی بات پر نویدہ، رقیہ کے ساتھ ساتھ حلیمہ بیگم بھی اچھل پڑیں۔

"دیکھو ہیں کہیں ہوگی، گر گئی ہوگی کہاں جائے گی۔" رقیہ نے جلدی سی کہا۔

"کہیں نہیں ہے پچھلے دو گھنٹے سے میں پاگلوں کی طرح ڈھونڈ رہی ہوں، ایک ایک چیز چیک کر لی ہے میں نے۔" نازش تیز لہجے میں بولی۔

"مطلب کیا ہے تمہارا؟" اس بار حلیمہ بیگم چپ نہ رہ سکیں۔

"مطلب صاف ہے میری انگوٹھی نویدہ نے چرائی ہے۔" نازش کی بات پر نویدہ سفید پڑ گئی۔

"بھا...... بھابی یہ...... آپ یہ کیا بول رہی ہو۔ میں...... میں بھلا ایسا کیوں کروں گی؟ مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں چوری کروں۔" نویدہ کی آواز لڑکھڑائی۔

"نازش......" اماں کی آواز پر نازش بھی قدرے چونکی۔ "تم میری برداشت کا امتحان مت لو میری بیٹی مر کر بھی ایسا نہیں کر سکتی نہ ہی اسے ایسا کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ تم نے ایسی بے ہودہ بات کی بھی کیسے، تمہیں شرم نہیں آئی اتنی گھٹیا بات کرتے ہوئے۔" حلیمہ کی برداشت جواب دے چکی تھی انہیں نازش سے قطعی امید نہیں تھی کہ وہ اس طرح کا گھناؤنا الزام بھی لگا سکتی ہے وہ اس حد تک بھی گر سکتی ہے۔

دکھ، شرمندگی اور ندامت کے احساس سے نویدہ زمین

میں گڑھی جارہی تھی اس کی خوب صورت آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور اس کا وجود زلزلوں کی زد میں تھا جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہ ہو۔ رقیہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس معاملے کو کس طرح سنبھالے۔

''اماں! آپ کچھ بھی کہہ لیں میں نے رات کو رکھی تھی اور اب نہیں ہے اور میرے کمرے میں صرف یہی آئی تھی۔ میں کچھ نہیں جانتی مجھے ایک انگوٹھی سے کوئی فرق نہیں پڑتا ایسی ہزاروں انگوٹھیاں خود پر سے صدقہ کر کے پھینک سکتی ہوں مگر...... مگر اب میں خود کو یہاں پر غیر محفوظ سمجھتی ہوں' آج انگوٹھی گم ہوئی' کل کوئی بڑی چیز گم ہوجائے گی۔ آپ لوگ اپنی پارسائی کے ثبوت بھی دیتے رہیں گے۔''

''افوہ...... بس ایک لفظ بھی بولا تو......'' حلیمہ بیگم دکھ اور بے عزتی کے احساس سے سر سے پاؤں تک جلنے لگی تھیں۔ ان کو لگ رہا تھا کہ جیسے دماغ کی نسیں پھٹ جائیں گی تب ہی بصیر احمد گھر میں داخل ہوئے' اندر کی سچوئشن ان کے لیے غیر متوقع اور پریشان کن تھی۔ نوید زاروقطار رو رہی تھی' رقیہ حواس باختہ کھڑی تھی۔ حلیمہ بیگم غصے سے کانپ رہی تھیں اور نازش غضب ناک انداز میں کمر پر ہاتھ رکھے الزام تراشیاں کررہی تھی۔

''بصیر احمد......'' حلیمہ بیگم اتنی زور سے چلائیں کہ بصیر احمد کے ساتھ ساتھ سب لوگ دم بخود رہ گئے۔

''ابھی اور اسی وقت تم اپنی بیوی کو لے کر ہمارے گھر سے نکل جاؤ۔''

''اماں! کیا ہوا...... بتایئے ایسا کیوں کہہ رہی ہیں؟'' بصیر احمد حواس باختہ ہوکر اماں کے قریب آ گئے۔

''مجھے ایک لفظ بھی نہ کہنا ہے نہ سننا' بس ابھی اسی وقت نکل جاؤ۔ میں ایک لمحہ بھی اس عورت کو گھر میں برداشت نہیں کرسکتی۔ اس سے زیادہ صبر' برداشت اور حوصلہ نہیں مجھ میں۔'' نوید' رقیہ تھر تھر کانپ رہے تھے ننھا راقب ہونق بنا سب کو دیکھ رہا تھا۔

''ہنہہ مجھے بھی شوق نہیں ہے ایسے لوگوں اور ایسے ماحول میں رہنے کا۔'' نازش نے حقارت سے کہا۔

''نازش......'' بصیر احمد نے غصے سے کہا۔

''بصیر احمد آپ فوراً فیصلہ کرو' تمہاری ماں مجھے گھر سے نکال رہی ہے اور میں...... میں...... بھی ماں بننے والی ہوں۔''

''کیا......'' یہ کیسا وقت تھا سب لوگ عجیب صورت حال کا شکار تھے اور بصیر احمد...... اتنی بڑی خوشی ملی تھی لیکن کس وقت؟ کس موقع پر؟ دلوں میں کدورتیں تھیں' نفرتیں اور شکایتیں...... بصیر احمد سر جھکا کر نازش کے پیچھے پیچھے کمرے میں چل دیئے۔ نازش بیگم اپنی کامیابی پر مسرور تھیں' بات بھی بن گئی تھی اور بصیر احمد بھی راضی ہوچکے تھے کیونکہ نازش کی حالت کی وجہ سے اس کا ساتھ دینا ضروری تھا۔

یوں بصیر احمد لاہور اپنی بیوی کے ذاتی بنگلے میں شفٹ ہوچکے تھے' جانے سے پہلے اماں کے پیر پکڑ کر معافیاں مانگی تھیں۔ نوید کے اور اس چہرے کو دیکھ کر تڑپے تھے۔ بھاوج اور ننھے راقب پر بے بسی سے نگاہ ڈالی' عجیب سی صورت حال سے دوچار تھے۔ یہاں آ کر تو نازش بیگم مزید شیر بن گئی تھیں اور پھر پریگنینسی کی وجہ سے کچھ زیادہ ہی لاڈ اور نخرے ہونے لگے تھے۔ صغیر احمد نے بصیر احمد کا جائیداد کا حصہ بھجوا دیا تھا جو بصیر احمد نے نازش کے پاپا کے کاروبار میں لگا دیا تھا۔ نازش نے جیسا چاہا تھا جو سوچ تھا' جو اس کا مقصد تھا وہ سب اس نے کچھ ماہ میں ہی پالیا تھا۔

پھر کچھ ماہ بعد ان کی زندگی میں افرحہ آ گئی' خوب صورت سرخ و سفید سی افرحہ جو صورت کے ساتھ ساتھ عادات میں بھی نازش کی طرح تھی۔ ضدی' گھمنڈی' مغرور اور زبان دراز...... بصیر احمد عید تہوار پر اماں' بہن بھائی سے ملنے ضرور جاتے۔ افرحہ تھوڑی بڑی ہوئی تو اسے شہر کے بڑے اسکول میں داخلہ دلوا دیا تھا۔ افرحہ چھوٹی تھی تب تک رشتوں کے بارے میں کچھ اندازہ نہیں تھا جب چار سال کی ہوچکی تب اپنی کلاس فیلوز کے دادا' دادی وغیرہ کو آتے جاتے دیکھا تب اسے احساس ہوا ایک

روز اس نے نازش سے پوچھ لیا۔

''مما! میرے دادا' دادو' پھوپو' چاچو وغیرہ نہیں ہیں کیا؟'' نازش نے نیل پالش لگاتے چونک کر اسے دیکھا۔ یہ بات اچانک اسے کیسے اور کیوں یاد آ گئی پھر قدرے سنبھل کر بولی۔

''تمہاری دادو ہیں بیٹا!''

''واؤ مما!'' افرحہ نے معصومیت سے آنکھیں پھیلا کر خوشی کا اظہار کیا۔

''مما! آپ نے کبھی بتایا نہیں مجھے۔ مما ہم ویکیشن پر چلیں گے ان کے پاس۔ وہ کہاں ہیں مما؟ میری ساری فرینڈز کے دادا' دادو' چاچو سب لوگ ہیں اور وہ لوگ ان کے پاس جاتے بھی ہیں' ہم چلیں گے ناں مما؟'' افرحہ معصومیت سے سوال کر رہی تھی۔

''اُفوہ افرحہ....'' نازش نے جھنجلا کر کہا۔ ''ابھی بند کرو یہ باتیں' میں ابھی پاپا کے ساتھ شاپنگ کرنے جا رہی ہوں آ کر بات کروں گی۔ آپ جلدی سے فریش ہو جاؤ' دیکھو آیا اماں نے بڑے مزے کا کھانا پکایا ہے۔'' نازش نے اس کی توجہ ہٹانے کی کوشش کی۔ افرحہ بجھ سی گئی۔ نازش افرحہ کے سوالوں سے خاصی پریشان ہو گئی تھی جس بات سے افرحہ کو دور رکھنا چاہتی تھی۔ آج افرحہ نے وہ ذکر چھیڑ دیا تھا اگر وہ بصیر احمد سے کچھ پوچھ لے تو..... قبل اس کے کہ افرحہ بصیر احمد سے کچھ پوچھے میں خود ہی بتا دوں گی' اس کو نازش یہ سوچ کر مطمئن ہو گئی اس وقت اور اس عمر میں افرحہ کے ذہن میں جو باتیں ڈالی جائیں وہ ہمیشہ یاد رکھ سکتی تھی۔ دوسرے دن افرحہ نے پھر اس سے پوچھ لیا۔

''مما! پلیز آپ بتائیں ناں میری دادو' پھوپو' چاچو لوگ کہاں ہیں؟ کیا ہم ان کے پاس جائیں گے؟'' نازش بنا جواب دیئے سر جھکائے خاموشی سے ناخن فائل کر رہی تھی۔

''مما..... مما..... بولیں ناں۔'' افرحہ نے آگے بڑھ کر نازش کو کاندھے سے پکڑ کر ہلایا' تو نازش نے سر اٹھایا۔ ٹپ ٹپ آنسو متواتر سے نازش کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

''ارے مما..... مما..... آپ کو کیا ہو گیا؟ پلیز مما بتائیں ناں؟'' افرحہ نے پہلی بار مما کی خوب صورت آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے اس کا ننھا سا دل تڑپ گیا۔ وہ خود بھی آبدیدہ ہو گئی۔

''سوری مما! کیا میں نے غلط بات کی؟ آئی ایم سوری مما کہ میں نے آپ کو ہرٹ کیا۔'' افرحہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اپنی مما کو چپ کرائے' کس طرح مما کی آنکھوں سے متواتر بہتے آنسوؤں کو روک لے۔

''نہیں میری جان! تم نے کوئی غلط بات نہیں کی۔'' نازش نے آگے بڑھ کر افرحہ کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''سوری بیٹا! کہ آپ مما کے رونے سے پریشان ہو گئیں مگر..... مگر.....'' نازش کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''مگر کیا مما؟''

''آپ نے دادو' پھوپو وغیرہ کی بات کی تو.....'' نازش نے رک کر اپنے آنسو پونچھے۔

''تو مما.....'' افرحہ مما کی بات سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

''تو یہ کہ آپ کی دادو' پھوپو وغیرہ بہت بُرے' بہت گندے لوگ ہیں' جاہل اور ان پڑھ بھی..... اور انہوں نے آپ کی مما اور پاپا کے ساتھ بہت بُرا برتاؤ کیا۔ ان لوگوں نے آپ کی مما اور پاپا کو اپنے گھر سے نکال دیا' یہ گھر آپ کی نانو نے ہمیں لے کر دیا ورنہ ہم لوگ تو اتنے غریب ہو جاتے جتنے ہمارے گھر جھاڑو لگانے والے لوگ ہیں۔''

''کیا.....؟'' افرحہ آنکھیں پھاڑے حیرت سے اپنی مما کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے جھرجھری لی اس کی نگاہوں میں جھاڑو لگانے والی ماسی اور اس کے کالے کالے' گندے' میلے کچیلے بچے آ گئے جو ہر وقت بیمار رہتے تھے' جو لوگوں کے گندے کپڑے اور باسی گندا کھانا کھاتے ہیں۔

''اوہ تو مما! مگر ان لوگوں نے ایسا کیوں کیا؟'' افرحہ کو بھی رونا آ گیا۔

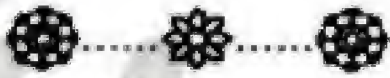
''آپ ابھی بہت چھوٹی ہو آہستہ آہستہ سب سمجھ میں

آ جائے گا اور پلیز آپ اپنے پاپا سے کچھ مت پوچھنا' پاپا کو بھی بہت رونا آ جائے گا۔ ابھی آپ اپنے کمرے میں جاؤ' میں اکیلی رہنا چاہتی ہوں۔"

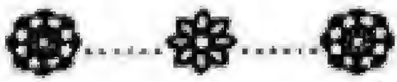
"اوہ مما! پلیز آپ پریشان مت ہوں' آیا اماں مما کے لیے جلدی سے جوس بنا کر لائیں۔" افرحہ سے نازش کی حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ وہ مما کو افسردہ نہیں دیکھ سکتی تھی اسے اپنی مما سے بہت محبت تھی اس وقت وہ بہت پریشان ہوگئی تھی۔

وقت کے ساتھ نازش نے افرحہ کے ذہن میں ددھیال والوں کے لیے اتنی نفرت ڈال دی تھی کہ افرحہ ان لوگوں کا نام تک سننا پسند نہیں کرتی تھی۔ نازش نے بتایا تھا کہ وہ اور بصیر احمد ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور بصیر احمد کے گھر والے یہ شادی نہیں کرنا چاہتے تھے' بہت مشکلوں سے وہ شادی پر راضی ہوئے پھر نازش کو ان لوگوں کے ساتھ گاؤں کے عجیب سے گھر میں رہنا پڑا۔ نازش گھر کے سارے کام کرتی پھر بھی افرحہ کی دادی اور پھوپو اس پر رعب چلاتی رہیں۔ نویدہ کا جب دل چاہتا نازش کے کپڑے' جیولری' چپلیں اور کاسمیٹکس استعمال کر لیتی' ہر چیز استعمال کر کے وہ اِدھر اُدھر پھینک دیتی یا پھر خود رکھ لیتی اور جب افرحہ پیدا ہونے والی تھی تب بھی گھر کے سارے کام وہی کرتی اور جب کام کر کے تھک جاتی تو دادو گالیاں سناتی تھیں۔ نویدہ نے شادی نہیں کی کیونکہ اس کو سارے گھر پر اور بھائیوں کی کمائی پر راج کرنے کی عادت تھی اور پھر نویدہ نے اس کی انگوٹھی چرالی اس نے صرف پوچھا اس پر دادو اور پھوپو نے خوب ہنگامہ کیا اور ہمیں گھر سے نکال دیا۔ میرے کپڑے اور بہت سارا زیور تک رکھ لیا۔

"اب میں تمہیں کیسے بتاتی بیٹا کہ تمہارے پاپا کے رشتے داروں نے ہمارے ساتھ کیسا برتاؤ کیا ہے' میں تم کو دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جتنے دکھ' تکلیفیں اور پریشانیاں ہم نے گزاری ہیں میں نہیں چاہتی تھی کہ تمہیں وہ سب کچھ بتا کر تم کو دکھی کروں۔ تم کو تکلیف دوں۔" نازش نے رو رو کر اپنی رام کہانی بار بار افرحہ کو سنائی اور بڑے ہوتے تک افرحہ اپنے ددھیال سے بالکل متنفر ہوگئی اور وقت کے ساتھ ساتھ نفرت میں شدت آتی گئی۔ نازش نے سختی سے تاکید کی' پاپا سے کبھی کچھ مت کہنا وہ تو جاتے ہیں' ملتے ہیں کیونکہ وہ ان کی فیملی کے لوگ ہیں۔ میں نے بھی تمہارے پاپا کو نہیں روکا' اس لیے کبھی تم بھی انہیں کچھ مت بولنا۔ نازش نے کمال ہوشیاری سے سارا معاملہ اپنی گرفت میں لے لیا تھا اور افرحہ کا بس نہیں چلتا تھا کہ اپنی اتنی پیاری اور مظلوم مما کے پیر دھو دھو کر پیئے جنہوں نے کتنی مظلوم اور مصالحت والی زندگی گزاری تھی اور آج تک اُف نہیں کی تھی۔ افرحہ کو اپنی ماں سے عشق کی حد تک پیار تھا۔



وقت گزرتا رہا' بصیر احمد خود گاؤں جاتے اماں' بہن بھائی سے ملتے لیکن نازش سے وہاں کی کوئی بات شیئر نہیں کرتے۔ افرحہ کو بھی نازش کی طرح ددھیال میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اسے بھی جاہل' ان مینرڈ اور گاؤں کے لوگ سخت ناپسند تھے۔ اونچی سوسائٹی کے ماڈرن دوست' ہلا گلا' پارٹیز' آؤٹنگ یہ سب اس کی زندگی کا حصہ تھا۔ دین سے کوئی اُنسیت کوئی لگاؤ نہ تھا۔ وہ بی ایس سی کر رہی تھی اور ابھی ایگزامز سے فارغ ہوئی تھی' نازش کے مما اور پاپا کی ڈیتھ ہو چکی تھی سب کچھ نازش کے حصے میں آ چکا تھا۔ بصیر احمد کی کوشش سے افرحہ نے بچپن میں کلام پاک ختم کرلیا تھا مگر ماں بیٹی دونوں نماز روزہ سے دور تھیں جب کہ بصیر احمد کو بچپن سے نماز اور روزہ کی عادت تھی جو آج بھی برقرار تھی۔



رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہو چکا تھا' بصیر احمد رمضان المبارک کی برکتوں سے مکمل طور پر فیض یاب ہو رہے تھے۔ پچھلے دنوں گاؤں گئے تو اماں نے افرحہ سے ملنے کی خواہش ظاہر کردی۔ حلیمہ بیگم کافی ضعیف ہو چکی تھیں اور دل کا عارضہ بھی لاحق ہو چکا تھا اس لیے اپنی زندگی سے ناامید سی ہوگئی تھیں۔

نازش کیسی بھی سہی افرحہ تو ان کا خون تھی ناں طبیعت خراب ہوئی تو افرحہ سے ملنے کو دل کیا۔ خلاف توقع نازش نے اس بات پر کوئی ری ایکٹ نہیں کیا بلکہ افرحہ کو راضی کیا کہ جا کر دادو سے مل لے۔ بصیر احمد نازش کے رویے پر حیران تھے کیونکہ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ نازش کے فتنہ ذہن میں اب بھی کوئی پوائنٹ گردش کررہا ہے۔ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی نازش کو دولت اور زیور کی ہوس برقرار تھی۔

اپنے دل میں ڈھیر ساری نفرتیں‘ واہمے لے کر افرحہ پاپا کے ساتھ گاؤں چلی آئی‘ شام ڈھل رہی تھی دونوں جانب ہرے بھرے کھیت تھے۔ ٹھنڈا ٹھنڈا خوش گوار ماحول تھا۔

”یہ سارے کھیت ہمارے ہیں‘ تمہارے دادا جی کی زمینیں ہیں یہ۔“ بصیر احمد نے بتایا تو اس نے اچٹتی نگاہ آم اور چیکو کے پیڑوں پر ڈالی۔ کھیتوں کے بعد آبادی اسٹارٹ ہوگئی تھی‘ اچھے خاصے پکے گھر بنے ہوئے تھے گھروں کے آگے چھوٹی چھوٹی کیاریاں اور کیاریوں میں مختلف پھولوں کے پودے لگے تھے۔ بڑے بڑے نیم کے درختوں پر جھولے پڑے ہوئے تھے اور صاف ستھرے بچے جھولا جھول رہے تھے۔ کچھ بچے چھوٹے سے میدان میں کرکٹ کھیل رہے تھے‘ بچیوں نے اچھی بھلی فراکیں اور جدید فیشن کے کپڑے پہنے تھے جب کہ لڑکے بھی پینٹ شرٹس اور ٹی شرٹس میں تھے۔ مما نے جو گاؤں کا نقشہ کھینچا یہاں کا ماحول اس سے بہت مختلف لگ رہا تھا اور جب گاڑی بڑے سے گھر کے آگے رکی تو افرحہ نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر دیکھا بڑا سا گرے آہنی گیٹ موزائیک کی بیرونی دیواریں جن کے ساتھ کیاریاں بنی ہوئی تھیں جن کے آگے لوہے کی گرل لگادی گئی تھی۔ بڑی بڑی کھڑکیاں اور اوپر کمروں میں لگے ڈسپلیٹ‘ افرحہ نے یہ سب کچھ حیرت سے دیکھا۔

”آجاؤ افرحہ!“ بصیر احمد کی آواز پر وہ چونکی اور بیگ تھا کر گاڑی سے اتر آئی۔ گیٹ سے داخل ہوئے ایک جانب خوب صورت سا لان بنا ہوا تھا۔ دوسری جانب گاڑی کی جگہ بنی ہوئی تھی جہاں بہت سی قیمتی گاڑیاں کھڑی ہوئیں تھیں۔ راہداری عبور کرکے گھر کے اندرونی حصے میں داخل ہوئے تو بڑا سا صحن تھا ساتھ ہی برآمدہ اور برآمدے کے اندر کی طرف بڑے بڑے کمرے دکھائی دیئے ایک طرف بڑا سا جدید طرز کا اوپن کچن بنا ہوا تھا۔ برآمدے میں بڑا سا تخت تھا جس پر وائٹ چادر بچھی ہوئی تھی‘ وائٹ اور ریڈ جھالر نیچے تک لٹک کر چادر کو خوب صورت بنارہی تھی۔ تخت پر سفید براق شلوار قمیص میں سفید ململ کا دوپٹہ سر پر لپیٹے یقیناً دادو بیٹھی تھیں جن کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔

”ہائے میری دھی رانی!“ دادو نے اسے دیکھ کر کہا اور اٹھ کر گلے سے لگالیا‘ دادو کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ افرحہ کا دل چاہ رہا تھا بظاہر ڈیسنٹ نظر آنے والی اس بوڑھی خاتون کو دھکا دے کر خود سے الگ کردے جس نے اس کی ماں کے ساتھ اتنا گندا سلوک کیا تب ہی سامنے کے کمرے سے نویدہ نکلی۔ پنک کلر کے وائٹ ڈوٹس والی لونگ شرٹ کے ساتھ وائٹ ٹراؤزر اور وائٹ دوپٹہ سر سے لیے وہ کافی گریس فل لگ رہی تھی ”میری بچی“ کہہ کر نویدہ بھی دوڑی چلی آئی۔

”نویدہ کیسی ہو؟“ بصیر احمد نے کہا۔

”اوہ تو یہ ہیں نویدہ پھوپو...... فساد کی جڑ‘ میری مما کی دشمن......“ دل ہی دل میں سوچا۔ نویدہ نے بھی اسے سینے سے لگایا۔ اس کا دل چاہا آگے بڑھ کر پھوپو کو تھپڑ لگادے جس نے مما کی ہر چیز پر قبضہ جمالیا تھا۔

”کیسی ہو گڑیا!“ شہد جیسا لہجہ زہر سے زیادہ کڑوا لگ رہا تھا۔ یہاں تو جہالت نظر نہیں آرہی تھی۔ رقیہ بیگم بھی آگئی تھیں‘ رقیہ بیگم کو دیکھا۔

”ہائے افرحہ! میں نرمل ہوں‘ تمہاری کزن۔“ خوب صورت سی لڑکی نے آکر اپنا تعارف کروایا تو افرحہ کی ہم عمر ہی تھی۔ سب لوگ پیار سے‘ اپنائیت سے پیش آرہے تھے مگر افرحہ کے چہرے پر کسی قسم کا کوئی تاثر نہ تھا۔ اسے

سب دکھاوا لگ رہا تھا اس کا دم گھٹنے لگا۔

"پاپا میں فریش ہونا چاہتی ہوں۔" اس کے سپاٹ چہرے پر بے زاری آ گئی تھی مگر وہ اس گھر سے اور گھر والوں سے امپریس ضرور ہوئی تھی کیونکہ اس کے ذہن میں گھر والوں اور گھر کا جو نقشہ تھا یہاں قطعی مختلف تھا۔ رہن سہن سے لباس سے کہیں سے یہ لوگ بیک ورڈ' جاہل اور ان پڑھ دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

وہ فریش ہو کر باہر آئی تو کچن سے اشتہا انگیز خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ رقیہ اور نوید دونوں کچن میں افطاری تیار کر رہے تھے جبکہ نزل باہر تخت پر بیٹھی فروٹس کاٹ رہی تھی۔

"آ جاؤ افرحہ!" نزل نے اس کو آتا دیکھ کر آواز دی تو وہ نزل کے پاس چلی آئی اسے سب لوگوں میں نزل ٹھیک لگی کیونکہ وہ اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئی ہوگی جب مما پاپا یہاں سے گئے تھے۔ یہاں رمضان المبارک کی گہما گہمی تھی' افطار کی تیاری زور و شور سے جاری تھی۔ یہ سب افرحہ کے لیے نیا تھا کیونکہ اس کے گھر میں تو ایسا کچھ اہتمام نہیں ہوتا تھا وہ اور مما تو روزے رکھتے نہیں تھے اور پاپا کے لیے اتنا اہتمام نہیں ہوتا۔ وہی روٹین کا کھانا جو نوکرانی پکا دیتی وہ افطار میں ہوتا اور سحری بھی نوکرانی کب بنا کے دے دیتی اس کی خبر نازش کو ہوتی نہ افرحہ کو۔

"تم روزہ تو رکھتی ہوگی ناں؟" نزل نے اس سے پوچھا۔

"نہیں میں روزے نہیں رکھتی' مجھ سے نہیں رہا جاتا بنا کھائے پیئے۔" اس کے جواب پر نزل نے چونک کر اسے دیکھا' کتنے اطمینان سے وہ جواب دے رہی تھی جیسے کوئی عام سی بات کہہ رہی ہو۔ یہاں پر تو بچپن سے آج تک سخت بیماری میں بھی کسی نے روزہ نہیں چھوڑا تھا۔ نزل کو اس کی بات عجیب سی لگی۔

"تمہارے یہاں لیپ ٹاپ ہے۔" افرحہ نے پوچھ لیا۔

"ہاں بھائی استعمال کرتے ہیں۔"

"ارے واہ۔" اس نے حیرت سے دیکھا۔ "یعنی ساری سہولتیں موجود تھیں۔"

"یہاں پر انٹرنیٹ' موبائل' سب کچھ ہے۔ اسکول اور کالجز بھی بن گئے ہیں' میں نے یہیں کے کالج سے بی ایس سی کیا ہے اور پھوپو نے بھی بی اے کیا تھا۔"

"اچھا اچھا....." افرحہ نے قدرے حیرت سے پوچھا۔ مما نے بتایا تھا کہ پھوپو تو جاہل ہیں اس نے دل میں سوچا۔

"اور میرے بھائی ایم بی اے کر چکے ہیں اور ہماری یہاں کی جو شوگر مل ہے وہ سنبھالتے ہیں۔" افرحہ حیرت سے سن رہی تھی اس کے لیے یہ باتیں بالکل نئی تھیں اس کے ذہن میں تو یہاں کے لوگ جاہل اور ان پڑھ تھے جن کو نہ بات کرنے کا سلیقہ ہوگا نہ پہننے اوڑھنے کا طریقہ مگر یہاں پر ہر چیز شہر کی طرح تھی۔ ساری سہولتیں بھی اور یہاں کے رہن سہن اور بات چیت سے بھی ایسا نہیں لگتا تھا کہ یہ لوگ بہت بیک ورڈ ہیں۔

مغرب سے تھوڑی سی دیر پہلے بڑے سے برآمدے میں تخت پر دستر خوان لگا دیا گیا تھا' اس پر طرح طرح کے لوازمات سجا دیئے گئے' چھولے' دہی بڑے' چکن رول' میکرونی' ٹرائفل' پکوڑے..... افرحہ حیرت سے دیکھ رہی تھی تب ہی صغیر احمد اور راقب بھی آ گئے۔

"او ہو ہماری بیٹی آئی ہے۔" صغیر احمد نے اسے دیکھ کر بانہیں پھیلائیں وہ اٹھ کر قریب آ گئی' ساتھ ہی سامنے کھڑے راقب کو غور سے دیکھا لائٹ براؤن شلوار قمیص میں سر پر ٹوپی رکھے ہلکے ہلکے شیو کے ساتھ دراز قد اسمارٹ لگ رہا تھا۔

"راقب یہ تمہارے چاچو کی بیٹی ہے افرحہ اور افرحہ یہ ہمارا بیٹا راقب۔" راقب نے ایک چبھتی نظر اس پر ڈالی' بلو جینز اور ریڈ چھوٹی سی کرتی میں چھوٹا سا اسکارف ڈالے وہ اپنی خوب صورتی کے باوجود ذرا بھی اچھی نہیں لگی اور افرحہ کو دیکھ کر راقب کے ذہن میں نازش بھی چلی آئی تھی۔ نازش چاچی اور ان کی ایک ایک حرکت راقب کے ذہن

میں محفوظ تھی۔

"ہائے......" افرحہ نے کہا۔

"السلام علیکم! ہم الحمدللہ مسلمان ہیں اور سلام کرنا ہماری عادت ہے سلامتی بھیجنے اور سلامتی لینے کی......" ہائے کے جواب میں سلام کرکے اس نے بھرپور چوٹ بھی کرڈالی افرحہ نے منہ بنایا پہلی ملاقات میں راقب اس کو کھڑوس لگا۔

"چلو آجاؤ بچو! اذان ہونے والی ہے۔" رقیہ کی آواز پر سب دسترخوان کی طرف متوجہ ہوگئے۔ خواتین سروں پر دوپٹے لپیٹے اور مرد سر پر ٹوپیاں رکھے سب باوضو آنکھیں موندے نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ ہاتھ باندھے آنکھیں موندے افطار سے چند سیکنڈ پہلے دعا مانگ رہے تھے یہ سب کچھ افرحہ کے لیے نیا تھا۔ اذان کی آواز کے ساتھ ہی سب نے کھجور سے روزہ افطار کیا۔ تھوڑا بہت کھا کر مرد نماز پڑھنے مسجد چلے گئے اور خواتین گھر میں نماز مغرب ادا کرنے کھڑی ہوگئیں۔ افرحہ اٹھ کر لان میں چلی آئی حلیمہ بیگم نے اسے اس طرح جاتا دیکھا تو افسوس سا ہوا اس کا نماز پڑھنے کا کوئی موڈ نہیں تھا۔ دوسری جانب زنل نماز میں مگن تھی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو زنل چائے بنا لائی۔

"افرحہ بچی! تم نے نماز نہیں پڑھی؟" چائے پیتے پیتے حلیمہ بیگم نے قریب بیٹھی افرحہ سے ملائمت سے پوچھا۔

"نہیں۔" اطمینان سے جواب دیا۔

"کیوں؟" حلیمہ بیگم کو حیرت ہوئی مگر ملائم لہجے میں دوبارہ سوال کیا۔

"بس دل نہیں کرتا۔" اسی طرح مطمئن انداز میں برجستہ جواب دیا۔ حلیمہ بیگم اس کی شکل دیکھتی رہ گئیں۔ کس نہج پر تھی یہ لڑکی؟ جوان بچی ہے اور دین سے اتنی دوری؟ حلیمہ بیگم نے چاہتے ہوئے بھی مزید کچھ نہ کہا اور تاسف سے اپنی پوتی کو دیکھتی رہ گئیں جس کے چہرے پر ذرا بھی ندامت یا شرمندگی کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ وہ اپنا سیل نکال کر مما سے چیٹ کرنے لگی اور حلیمہ بیگم اسے دیکھتی رہ گئیں۔

کچھ دیر بعد وہ اپنے کمرے میں آگئی اس کے بیڈ پر بہت خوب صورت پنک کلر کی چادر بچھی تھی جس پر ملٹی کلر کے دھاگوں سے ہاتھ کی کڑھائی کی گئی تھی بہت نفیس اور عمدہ کام تھا۔

"دیکھو یہ کمرہ تمہارے لیے پھوپو نے سیٹ کیا ہے۔" زنل نے بیڈ، سائیڈ ٹیبل، ٹیبل چیئر اور ایک چھوٹے سے صوفے سیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اور یہ بیڈ شیٹ پھپھو نے کڑھائی کی ہے اپنے ہاتھ سے۔"

"واؤ گڈ! ظاہر ہے شادی وادی تو کی نہیں انہوں نے ان کاموں میں ہی دل لگاتی ہوں گی ناں۔" افرحہ نے طنزیہ لہجے میں کہا تو زنل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "کیوں کیا غلط کہا میں نے؟" الٹا سوال کرڈالا۔

"نہیں۔" زنل گڑبڑا گئی۔

سحری کے وقت گھر میں خاصی چہل پہل تھی سارے گھر کی لائٹیں جل گئی تھیں۔ رقیہ اور نویدہ کچن میں سحری بنا رہی تھیں۔ حلیمہ بیگم تہجد کی نماز ادا کررہی تھیں، زنل بھی سالن وغیرہ گرم کررہی تھی۔ افرحہ جو دیر رات تک چیٹ کرتی رہی تھی ابھی کچھ دیر پہلے ہی اس کی آنکھ لگی تھی، چہل پہل اور شور ہوا تو اس نے کسمسا کر آنکھ کھولی، چندھی چندھی آنکھوں سے گھڑی دیکھی۔

"افوہ اتنا شور......" پھر یاد آیا سحری ہوگی۔ کھڑکی کھلی رہ گئی تھی جس سے آوازیں اندر آرہی تھیں۔ "افوہ خود تو جاگ رہے ہیں سونے والوں کی نیندیں بھی خراب کررہے ہیں۔" جھنجلا کر اٹھی اور دھاڑ سے کھڑکی بند کی اس وقت راقب بھی اٹھ کر آیا تھا۔ وہ کھڑکی بند کرکے باہر نہیں نکلی تھی۔

"دادو یہ روزہ نہیں رکھے گی کیا؟" راقب نے سوال کیا۔

"نہیں، اسے عادت نہیں ہے۔" دادو کے جواب پر راقب اچھل پڑا۔

"عادت نہیں مطلب...... یہ دین کی بات ہے فرض ہے یہ کوئی ایسی چیز نہیں کہ ہم اپنی مرضی اور پسند کے مطابق طے کریں' وہ یہاں آئی ہے تو اسے اس گھر کے اصول' طور طریقے سب کچھ بتایئے کہ اسے یہ اپنانا ہوں گے۔" راقب کو شدید غصہ آ گیا کہ دین کے معاملے میں بھی عادت دیکھی جاتی ہے کیا؟

"ہاں بیٹا! ابھی تو وہ آئی ہے ایک آدھ دن میں سمجھاؤں گی۔ مجھے دلی افسوس ہوا ہے اسے اس طرح نماز روزے سے بے بہرہ دیکھ کر۔" حلیمہ بیگم آبدیدہ ہوگئیں۔ سحر کا ٹائم ہوگیا سب لوگ سحری کرنے میں مصروف ہوگئے۔

صبح گیارہ بجے کے قریب افرحہ جاگی تو نویدہ نے اس کے لیے ناشتا تیار کردیا۔ ظہر کی نماز کے بعد خواتین قرآن پاک کی تلاوت کرتیں پھر کچھ دیر بعد افطار کی تیاریوں میں لگ جاتی تھیں۔ افرحہ راقب کا لیپ ٹاپ لے کر بیٹھ گئی' عجیب بے تکی سی لڑکی تھی' اتنی دور سے آئی تھی جن لوگوں کے پاس جن کے درمیان آئی تھی ان لوگوں کے ساتھ نہ ڈھنگ سے بات کرتی نہ گھلتی ملتی تھی اور نہ ہی کسی کام میں ہاتھ بٹاتی۔ اپنے سیل' فون یا لیپ ٹاپ میں لگی رہتی' راقب کو تو اس سے چڑ تھی۔ ایک تو افرحہ کی ڈریسنگ راقب کو زہر لگتی' تنگ جینز' چھوٹی شرٹ اور دوپٹے کی جگہ چھوٹے چھوٹے سے اسکارف۔

دوسرے دن دوپہر میں حلیمہ بیگم اپنے کمرے میں قرآن پڑھ رہی تھیں کہ وہ ٹہلتی ہوئی آ گئی۔

"آؤ بیٹی!" انہوں نے اپنے پاس جگہ بنائی۔ "کیسا لگا یہاں آ کر؟" حلیمہ بیگم کے لہجے میں حلاوت تھی۔

"کیسا لگنا چاہیے؟" الٹا سوال کیا۔ حلیمہ بیگم ناسمجھی سے آنکھیں جھپک کر رہ گئیں۔ "آخر کو یہ میری مما کا سسرال ہے' جہاں میری مما رہ کر جا چکی ہیں اور بہت خوش بھی رہیں۔" افرحہ کے لہجے میں کڑواہٹ تھی۔

"ہاں تمہاری ماں یہاں زیادہ نہیں رہی۔" حلیمہ بیگم نے دھیرے سے کہا۔

"ہاں ظاہر ہے جو حالات اس وقت تھے وہ ان حالات میں کس طرح رہ سکتی تھیں۔" لہجے میں کڑواہٹ بدستور نمایاں تھی۔ حلیمہ بیگم نے غور سے اپنی چھوٹی سی پوتی کو دیکھا وہ کہنا کیا چاہ رہی تھی' کتنا زہر گھلا ہوا تھا اس کی باتوں میں یقیناً اس کے دل میں ددھیال کے حوالے سے کوئی نرم جذبے نہیں تھے۔

"یہ کیسی بات کر رہی ہو تم...... تمہیں یہ کس نے بولا؟"

"ظاہر ہے میری مما نے۔ میری مما مجھ سے نہیں تو کس سے بولیں گی' کون ہے ان کا میرے علاوہ۔ مجھے سب پتا ہے آپ کے' نویدہ پھوپو اور سب کے بارے میں۔" بدتمیزی سے کہہ کر وہ اٹھی اور تیزی سے کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ اس کے لہجے سے' اس کی باتوں سے بغاوت کی بُو آ رہی تھی۔ وہ اپنے دل میں بہت سا انبار جمع کر کے لائی تھی اور یہ ساری آگ نازش کی لگائی ہوئی تھی اس نے معصوم بچی کے ذہن میں نہ جانے کیسا خناس بھر دیا تھا۔ افرحہ دادو کے کمرے سے سیدھا نویدہ کے کمرے میں آئی' نویدہ الماری سے کپڑے نکال رہی تھی۔

"آ جاؤ گڑیا!" آہٹ پر پلٹ کر دیکھا تو دروازے میں افرحہ کو دیکھ کر پیار سے اندر بلایا۔ وہ آہستہ آہستہ چل کر اندر آ گئی۔

"روم تو اچھا سیٹ کیا ہے آپ نے۔" افرحہ نے کمرے کے چاروں طرف نگاہ ڈال کر کہا۔

"ہنہہ......" نویدہ مسکرا دی۔

"بیٹھو تم۔" کرسی کی طرف اشارہ کیا تو افرحہ کرسی پر ٹک گئی۔

"کیا کرتی رہتی ہیں آپ سارا دن؟" سوال کیا۔

"اسکول کے بعد گھر کے کام اور اماں کی خدمت۔" نویدہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور ساتھ ہی کپڑے نکال کر بیڈ پر رکھے۔

"ہاں ظاہر ہے مصروفیت تو چاہیے ناں آپ کو ویسے اچھی بھلی تو ہیں آپ شادی کیوں نہیں کی آپ نے؟"

اچانک سوال پر نویدہ کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا۔

"بس شاید نصیب میں نہیں تھی شادی۔" نویدہ نے چہرے پرآئی اداسی کو مسکراہٹ میں بدلنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ویسے اپنی قسمت اور نصیب بنانے میں کچھ انسان کا اپنا ہاتھ بھی ہوتا ہے اور انسان اگر کسی کے لیے بُرا سوچے تو کہیں نہ کہیں بدلہ تو ملتا ہے ناں۔" نویدہ اس کی بات پر چونکی مگر قدرے سنبھل کر بولی۔

"نہیں گڑیا! ایسا نہیں کہتے' ہمارے بس میں کچھ بھی نہیں ہوتا یہ سب اللہ پاک کا کرم اور اس کی مرضی ہے۔ ہم سب تو اس کے محتاج ہیں' وہ جسے چاہے جب چاہے اور جیسا چاہے عطا کرتا ہے۔"

"ہاں مگر پھپو بعض دفعہ جب انسان دوسروں پرے جا سختیاں کرے ان کی خوش حالی چھینے تو سزا تو ملے گی ناں۔" افرحہ نے اس کی بات کاٹ کر چبھتا ہوا جملہ ادا کیا۔ نویدہ نے اس کے تلخ چہرے کی طرف دیکھا نہ جانے کیا مقصد تھا' وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔

"او کے چلیں آپ اپنا کام کریں۔" نویدہ کے الجھے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گئی اور نویدہ اس کی بات کی گہرائی جاننے کی کوشش کرنے لگیں۔

عصر کی نماز سے کچھ دیر پہلے رقیہ اور نویدہ کچن میں تھیں' نرل قرآن پاک پڑھ رہی تھی۔ حلیمہ بیگم اپنے کمرے میں سو رہی تھیں۔ افرحہ راقب کا لیپ ٹاپ اٹھا کر لے آئی اور چیٹ کرنے لگی۔ ابھی اسے چیٹ کرتے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ راقب دندناتا ہوا اس کے سر پر پہنچ گیا۔

"یہ تم کس کی اجازت سے لائی ہو؟"

"اجازت مطلب..... نرل نے کہا تھا استعمال کرسکتی ہو تو میں لے آئی۔" اسی لہجے میں جواب دیا۔

"کسی کی چیز لینے سے پہلے اجازت لینی پڑتی ہے۔ بڑی ماڈرن اور ایجوکیٹڈ بنتی ہو تمہیں کچھ ایٹی کیٹس بھی آتے ہیں کہ نہیں۔" راقب نے اس کی تنگ پینٹ اور شرٹ پر طنزیہ نظر ڈال کر تیز لہجے میں کہا۔

"اے مسٹر! مجھے تم سے زیادہ آتے ہیں ایٹی کیٹس' اب تم مجھے سکھاؤ گے۔" افرحہ کا غصہ عروج پر تھا۔

"ہاں کیوں کہ تم میں کوئی ایٹی کیٹس نہیں اچھے لوگوں میں رہنے کے مینرز آتے ہیں تمہیں۔ کہاں' کیسے اور کس طرح رہا جاتا ہے' کس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا ہے؟ کس وقت کیا کرنا ہے؟ تمہیں کسی بات کا کچھ بھی پتا نہیں ہے۔" راقب بھلا کب چپ رہنے والا تھا۔

"بی ہیو یور سلیف..... تمیز سے بات کرو مجھ سے۔" وہ بپھر پا ہوگئی۔

"تم..... تم جہاں سے آئی ہو ناں وہاں تمیز لفظ کا مطلب بھی نہیں پتا ہوگا۔" راقب سارے بدلے آج ہی نکال لینا چاہ رہا تھا۔

"آپ..... آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔" اس وقت نرل بھاگی چلی آئی۔

"بھائی کیا ہوگیا ہے؟" آتے ہی راقب سے مخاطب ہوئی۔

"نرل بتاؤ اپنے بھائی کو کہ تم نے کہا تھا میں یہ استعمال کرسکتی ہوں۔ لعنت بھیجتی ہوں اس پر۔" لیپ ٹاپ بیڈ پر پٹخا۔

"اوہو..... تمیز سے ذرا' محنت کے پیسوں سے خریدا ہے میں نے یہ لفظیاں اور حاتم طائی والی حرکتیں وہاں جاکر کرنا جہاں یہ برداشت کرنے والے ہیں۔ یہ سیدھے سادھے لوگوں کا گھر ہے۔" تیز لہجے میں کہہ کر وہ لیپ ٹاپ اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

"افوہ! اتنی تذلیل....." افرحہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ راقب کا منہ نوچ لے۔ شور کی آواز سے سب لوگ آگئے۔

"کیا ہوا..... کیا ہوا.....؟" یہی سوال تھا۔

"وہ بھائی کو غصہ آگیا تھا اسے لیپ ٹاپ پر کام کرنا تھا اور افرحہ استعمال کررہی تھی۔" نرل نے بتایا۔ افرحہ شدت جذبات سے رو پڑی تھی۔

"افرحہ پلیز بھائی کا غصہ تھوڑا سا تیز ہے' تم ریلیکس

ہوجاؤ۔“ نرل نے افرحہ کو روتے دیکھ کر سمجھانے والے انداز میں کہا۔

”غصے کے تیز ہیں تو ان پر کریں غصہ جن پر ان کا حق ہے نیا جوان کا فضول کا غصہ اور طعنے برداشت کرسکیں مجھے کیوں دکھا رہے ہیں؟ کیا جتانا چاہ رہے ہیں وہ؟ میں کیوں کروں برداشت...... میں مما نہیں ہوں سمجھے آپ لوگ۔“ وہ کہتی ہوئی باتھ روم میں گھس گئی۔ مطلب کیا تھا اس بات کا یہ تو کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر افرحہ اپنی باتوں سے کیا جتلانا چاہ رہی تھی۔ حلیمہ بیگم سر پکڑ کر رہ گئیں۔

حلیمہ بیگم کا ارادہ تھا افرحہ کو عید کرنے کے بہانے یہاں بلوائیں گی اس کی یہاں انڈرسٹنڈنگ ہوگئی تو پھر راقب اور افرحہ کا رشتہ طے کردیں گی مگر یہاں تو سب کچھ الٹ پلٹ ہو رہا تھا۔ افرحہ تو نازش کی کاپی لگ رہی تھی ویسے بھی رمضان المبارک کا آخری عشرہ چل رہا تھا عید کی آمد آمد تھی۔ افرحہ نے اسی وقت کال کرکے بصیر احمد کو بلوالیا کہ پاپا آپ آکر مجھے لے جائیں اور بصیر احمد نے دوسرے دن آنے کا کہہ دیا تھا۔

اسی رات حلیمہ بیگم نے افرحہ کو اپنے کمرے میں بلوایا وہ طریقے سے افرحہ سے بات کرکے اسے سمجھانا چاہتی تھیں کہ شاید اس کی سمجھ میں ان کی بات آجائے۔ تھوڑی دیر بعد افرحہ ان کے کمرے میں تھی۔

”بیٹی افرحہ! تم تو جانتی ہو میری طبیعت کا کوئی بھروسہ نہیں میں چاہتی تھی کہ اس بار عید ہم سب مل کر ساتھ منائیں نہ جانے اگلے سال مجھے عید دیکھنی نصیب ہو کہ نہیں۔ میں اپنے سب بچوں کو اپنی زندگی میں ایک ساتھ دیکھنا چاہتی تھی اس لیے میں نے بصیر احمد سے اپنی خواہش کا اظہار کیا اور شکر ہے کہ تم آگئیں۔ دیکھو بیٹی اپنے پھر اپنے ہوتے ہیں میں جانتی ہوں کہ راقب غصے کا تھوڑا تیز ہے زبان بھی چلاتا ہے مگر وہ دل کا بہت نرم ہے۔ محبت کرنے والا ہمدرد ہے میری دلی تمنا تھی کہ تمہاری اور راقب کی شادی ہوجائے لیکن......“

”ہیں......؟“ افرحہ نے چونک کر بے زاری اور طنز سے ان کی جانب دیکھا۔

”دلیکن مجھے امید بلکہ اب یقین ہوگیا ہے کہ ایسا ناممکن ہے۔ میں نے تم دونوں کی آنکھوں میں لہجے میں ایک دوسرے کے لیے شدید نفرت دیکھی ہے اور آج...... آج اس کا واضح ثبوت بھی مل گیا ہے۔“ انہوں نے ایک لحہ رک کر ٹھنڈی سانس بھری۔

”پھر بھی میں اپنی تسلی کے لیے تم سے تمہاری رائے معلوم کرنا چاہتی ہوں۔“ حلیمہ بیگم نے بات ختم کرکے سوالیہ نظروں سے افرحہ کی جانب دیکھا۔

”دادو مجھے افسوس ہے کہ آپ بیمار ہو لیکن آپ نے یہ سوچا بھی کیسے کہ میں اس گھر میں آؤں گی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہاں سے میری ماں کو بے عزت کرکے نکالا گیا ان کو جس گھر میں ان کا مقام ان کی حیثیت نہ دی گئی تو کیا مجھے وہ سب کچھ ملے گا؟ گو کہ میری مما اور پاپا نے پسند کی شادی کی لیکن آپ کی مرضی کے ساتھ لیکن آپ لوگوں نے انہیں اتنی بڑی سزا دی بس اس لیے کہ وہ آپ کے خاندان کی نہیں تھیں اور رقیہ تائی کی طرح آپ کے سسرال یا میکے سے نہیں آئی تھیں۔ ان سے گن گن کے بدلے لیے اور اس وقت جب کہ میں پیدا ہونے والی تھی ان کو آپ کی ضرورت تھی آپ نے انہیں گھر سے نکال دیا۔ حیرت تو اس بات کی ہے کہ نویدہ پھپو نے اچھے اچھے رشتے ٹھکرادیے صرف اس لیے کہ انہیں بھاوجوں پر حکم چلانے کی عادت تھی۔ میری مما کی ایک ایک چیز اعلیٰ اور قیمتی کپڑے جیولری اور زیور تک نویدہ پھپو کے استعمال میں ہوتے۔ میری مما اف تک نہ کریں پھر بھی آپ لوگ قدم قدم پر ان کی تذلیل کرتے رہے۔“ حلیمہ بیگم آنکھیں پھاڑے منہ کھولے اس چھوٹی سی بچی کے منہ سے نکلتے الفاظ کے شعلوں میں جل رہی تھیں۔

”یہ...... یہ...... کیا کہہ رہی ہو تم؟“ انہوں نے سخت لہجے میں سوال کیا۔ یہ سب نازش کا بھرا ہوا زہر تھا اس کی لگائی ہوئی آگ تھی جو آج افرحہ کے دل و دماغ سے الفاظ

کی صورت باہر نکل رہی تھی۔

"مجھے نفرت ہے یہاں کے لوگوں سے اور آج جو میں یہاں آئی ہوں آپ کے لیے تو وہ بھی میری مما نے زبردستی مجھے بھیجا ہے لیکن بس بہت ہوگیا میں کل واپس جارہی ہوں۔" وہ یہ کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔

"اُف...." حلیمہ بیگم نے اپنا سر تھام لیا' کتنا زہر تھا اس کے اندر ساری کی ساری جھوٹی اور من گھڑت باتیں تھیں اس کے ددھیال کی طرف سے اس کے دل میں کتنی نفرتیں پل رہی تھیں۔ نازش نے اپنے مکارانہ اور عیارانہ ذہن سے ساری کدورتیں اور نفرتیں افرحہ کے ذہن میں بھر دی تھیں۔ نویدہ اماں کے پاس آئی حلیمہ بیگم کے چہرے پر دکھ' کرب نمایاں تھا ان کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے' دو فٹ کی لڑکی نے کیا کچھ کہہ دیا تھا اور وہ صفائی بھی نہ دے سکیں۔

"اماں! یہ سمجھنے والی نہیں ہے' اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ جانے دیں واپس' آپ یہ کیوں بھول رہی ہیں کہ وہ نازش کی بیٹی ہے اور نازش نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا وہ سب آپ کے سامنے ہے ناں اماں...."

"ہاں مگر اس کے ذہن میں جو کچھ بیٹھایا گیا ہے' وہ سب بہت غلط ہے.... میں برداشت نہیں کرسکتی کہ وہ تمہارے بارے میں ایسی سوچ رکھے' یہ تمہاری برداشت ہے میری بچی کہ تم اُف نہیں کرتیں مگر میں...." حلیمہ بیگم رونے لگیں۔

"اماں خدا کے لیے...." نویدہ آبدیدہ ہوگئیں۔

"تم آج تک کنواری بیٹھی ہو صرف نازش کی وجہ سے تمہارا رشتہ ختم ہوا اور وہ کہہ رہی ہے کہ تم نے رشتوں سے انکار کیا' کیوں کہ تمہیں بھاوجوں پر حکم چلانے کی عادت تھی۔ ہم نے اس سے کبھی ایک گلاس پانی بھی نہ مانگا اور وہ کہہ رہی ہے کہ وہ سارے گھر کا کام کرتی تھی۔ اس نے تم پر انگوٹھی چوری کا الزام لگایا اور کہتی ہے کہ تم نے زیورات پر قبضہ کرلیا۔ ایک لپ اسٹک لگانے پر اس نے اپنا کاسمیٹکس صحن میں پھینک دیا تھا اور کہا کہ تم اس کی چیزیں استعمال کرتیں تھیں' ایک ایک بات غلط جھوٹ اور بے بنیاد' اتنی نفرت بھر دی ہے اس بچی کے دل میں کہ وہ رشتوں کا احترام بھول گئی۔" حلیمہ بیگم غصے سے تھر تھر کانپ رہی تھیں۔

"اماں بس کریں سب کچھ بھول جائیں' بس اس بات کو یہیں ختم کردیں۔ اسے واپس جانے دیں اور یہ خیال دل سے نکال دیں کہ وہ راقب کی دلہن بن کر اس گھر میں آسکتی ہے۔" نویدہ نے ٹھنڈی سانس بھر کے بڑی ہمتیں جمع کرکے حلیمہ بیگم کو تسلی دی۔ اس وقت راقب جو کسی کام سے آیا تھا اندر دادو اور پھپھو کی ساری گفتگو سن چکا تھا اس کی کنپٹیاں سلگنے لگی تھیں وہ دندناتا ہوا افرحہ کے کمرے میں پہنچ گیا' پوری قوت سے لات مار کر دروازہ کھولا۔

"یہ.... یہ کیا بدتمیزی ہے؟" افرحہ جو ابھی واش روم سے نکلی تھی اسے یوں آتا دیکھ کر غصے سے بولی۔

"بدتمیزی.... بدتمیزی تو ابھی کرکے بتاتا ہوں تمہیں۔" راقب نے دروازہ لاک کردیا۔

"یہ.... یہ کیا حرکت ہے.... کھولو دروازہ...." وہ گھبرا کر چلائی۔

"چپ...." راقب نے آگے بڑھ کر اس کا منہ زور سے دبایا۔

"یہ کیا جہالت ہے؟" وہ تڑپ کے چلائی۔

"جہالت.... ہاں دکھاتا ہوں جہالت.... تمہاری ماں کو بھی ہم لوگ جاہل لگتے تھے ناں آج دیتا ہوں ثبوت جہالت کا۔" وہ بے حد بپھرا ہوا تھا۔

"میں چلاؤں گی.... چلے جاؤں یہاں سے۔" وہ منمنائی۔

"چپ.... خاموش.... ایک لفظ بھی نکالا تو گلا گھونٹ دوں گا۔" اس کے تیور اتنے خطرناک تھے کہ افرحہ کو لگا جیسے وہ پتا نہیں کیا کیا کردے گا شاید جان سے بھی مار دے۔ اب وہ ڈر گئی تھی۔

"کیا بکواس کرکے آئی ہو تم ابھی ابھی دادو سے...."

کیا کیا بولا ہے میری دادو اور پھپھو کے بارے میں؟ میں تمہاری زبان کھینچ لوں گا۔ تمہاری ماں نے پہلے کم فساد ڈالا تھا کہ اب تم آ گئی ہو یہاں پر فساد پھیلانے......"

"راقب! میری مما کے بارے میں کچھ بولا تو مجھ سے برا کوئی......"

"ہاہاہا......" راقب زور سے ہنس دیا اور اس کی بات کاٹ کر بولا۔ "تم سے اور تمہاری اماں سے برا کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔ تمہاری ماں چند ماہ ہمارے گھر میں رہیں اور جتنی آگ لگا سکتی تھی لگا کر چلی گئیں اور تم کو بھیجا ہے...... کوئی نئی چال ہو گی ان کے شاطر ذہن میں......"

"راقب میری مما......" اس نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

"چپ کرو اور صرف میری بات سنو۔" راقب گرجا۔ "پتا بھی ہے تمہیں کہ تمہاری ماں نے کیا کیا؟ تمہاری ماں کی وجہ سے آج تک میری پھپھو کنواری بیٹھی ہیں کیونکہ تمہارے پاپا اور پھپھو کی شادی وٹہ سٹہ میں دادو کے بھائی کے ہاں طے ہو چکی تھی۔ تمہاری ماں نے چاچو سے شادی کی تو پھپھو کا رشتہ بھی ختم ہو گیا اور...... پھر ان کے جوڑ کا کوئی رشتہ خاندان میں نہیں ملا اور پھپھو جو بچپن سے ہی فاصل ماموں کو اپنا مان چکی تھیں انہوں نے بھی کسی اور سے شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا کیونکہ وہ کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔ رشتہ ختم ہوا تو دادو سے ان کے میکے والوں نے ناطے توڑ لیے۔ میری دادو اپنے ماں باپ، بھائی، بہن سے جیتے جی جدا ہو گئیں اور آج تک ان کے لیے تڑپتی ہیں' ان کے ماں باپ مر گئے' بھائی مر گئے مگر میری دادو کو ان کا آخری دیدار تک نصیب نہ ہوا۔ تمہاری ماں کو یہاں کے لوگ یہ گھر سب کچھ دقیانوسی نظر آتا ہے ان کو شہر کے آسائشوں کی عادت تھی' وہ یہاں کیسے ایڈجسٹ کر پاتیں حالانکہ اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی کبھی نویدہ پھپھو نے یا دادو نے یا میری ماں نے ان کے ساتھ کوئی غلط برتاؤ نہ کیا۔ وہ گیارہ بجے تک سوتی رہتیں' کوئی کام نہ کرتیں مگر کسی نے انہیں کبھی کچھ نہ بولا۔ یہ سب میں نے دیکھا ہے اپنی آنکھوں سے میں گواہ ہوں۔

ایک بار صرف میری پھپھو نے ان کی لپ اسٹک لگا لی تو انہوں نے ہنگامہ کھڑا کر دیا اپنی ساری کاسمیٹکس صحن میں پھینک دی۔ ایک بار میری بلی کا بچہ ان کے سامنے آ گیا وہ سلیپ ہو گئیں تو انہوں نے میرے منہ پر بھرپور طمانچہ مارا تھا جس کی جلن آج تک مجھے محسوس ہوتی ہے۔ میں سب کا لاڈلا تھا کسی نے آج تک مجھے گھور کر بھی نہ دیکھا تھا میرے منہ پر پہلا اور آخری طمانچہ تمہاری ماں نے مارا تھا۔ اس پر بھی انہیں برداشت کیا لیکن......" شدت جذبات سے راقب کی مٹھیاں بھینچ گئیں اور آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ افرحہ دم بخود اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"ایک بار تو انہوں نے ذلالت کی حد کر دی جب میری معصوم پھپھو پر ڈائمنڈ رنگ کی چوری کا الزام لگایا جو کہ چاچو نے انہیں منہ دکھائی میں گفٹ کی تھی اور میں نے خود اپنی آنکھوں سے انہیں وہ رنگ پرس میں رکھتے دیکھا تھا۔"

"ڈائمنڈ رنگ منہ دکھائی والی...... وہ تو اب بھی نازش کے پاس تھی۔" اچانک افرحہ کے ذہن میں نازش کی وہ انگوٹھی آ گئی جو افرحہ کو بہت پسند تھی۔

"اور انہوں نے اس وقت تک یہ بات بھی چھپائی ہوئی تھی کہ تم پیدا ہونے والی ہو بس جب انگوٹھی والی بات ہوئی تب دادو کی ہمت ختم ہو گئی اور انہوں نے چاچو سے کہہ دیا کہ وہ اپنا ٹھکانہ الگ کر لیں لیکن اس سے پہلے دادو نے چاچو کا حصہ اور اپنے زیورات کا بھی بٹوارا کر کے چاچو اور تمہاری ماں کے حوالے کر دیا تھا۔ ہمارے یہاں کہیں بھی کسی معاملے میں کوئی جھول یا زیادتی نہ ہوتی' مگر تمہاری ماں کے غلیظ ذہن میں ابھی تک خناس بھرا ہے کہ تم کو تیار کر کے بھیج دیا۔ مجھے تو شرم آتی ہے تمہیں اپنا کہتے ہوئے اور اب...... اب دادو میری اور تمہاری شادی کا خواب دیکھ رہی ہیں' اتنا سب کچھ ہونے کے بعد وہ تمہیں اس گھر میں لانا چاہتی ہیں' ہنہ...... لعنت بھیجتا ہوں میں تم پر' جسے نہ کپڑے پہننے کا سلیقہ ہے نہ بات کرنے کا ڈھنگ۔" وہ بات ختم کر کے اسے بیڈ پر زور

سے گراتے ہوئے دندناتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔افرحہ منہ کھولے آنکھیں پھاڑے اس کی باتیں سنتی رہی تھی۔

''یہ...... یہ کیا بکواس کرکے گیا ہے؟'' جب ذرا سا سنبھلی تو تیزی سے اٹھی کہ جاکے دادو کو بتائے کہ وہ کیا بول کر چلا گیا مگر نویدہ پھپو کے کمرے سے آتی آوازوں نے اس کے قدم روک دیئے۔

''پھپو آپ لوگوں میں حوصلہ' صبر اور برداشت ہے' مجھ میں نہیں۔ میں نہیں کرسکتا اس کی بکواس برداشت' پہلے اماں تھیں اب بیٹی ہے کہ جومنہ میں آئے بکواس کرتی چلی جاتی ہے اور آپ لوگ اس کو اصل حقائق بھی نہیں بتاتے۔ میں نے اسے تمام سچائی بتادی ہے میں جانتا ہوں پھپو کہ آپ نے ساری زندگی کس طرح گزاری ہے' بظاہر ہنسنے والی نویدہ اندر سے کتنی کمزور ہے' کتنی دکھی ہے۔ اب وہ بھاڑ میں جائے یا جہنم میں مجھے کوئی پروا نہیں۔'' افرحہ الٹے پاؤں اپنے روم میں واپس آ گئی۔

''اُف خدایا...... مطلب یہ سب کچھ سچ تھا' میری مما' ہاں وہ انگوٹھی تو ان کے پاس ہے اور پھپو کے ساتھ ایسا کچھ ہوا تھا انہوں نے پاپا اور مما کے لیے اتنی بڑی قربانی دی تھی اور مما نے کتنی غلط بات بتائی' سب کچھ جھوٹ تھا' سب غلط تھا۔'' اس کا سر گھوم رہا تھا۔

''مما کو اتنی نفرت اتنی شدید نفرت رہی ہے سسرال سے کہ انہوں نے مجھے بھی متنفر کردیا۔'' اس کا دماغ بُری طرح گھوم رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کرے۔ ''دادو نے ساری زندگی اپنے سگے رشتوں سے کٹ کے گزار دی' اپنے ماں باپ اور بھائی کا آخری دیدار بھی نہ کرسکیں۔'' اس کی خوب صورت آنکھوں سے لاتعداد آنسو نکل کر اس کے گالوں پر پھیلنے لگے۔ ''یہ لوگ کتنے اچھے ہیں اور مما آپ نے ایسا کیوں کیا؟''

''راقب اگر سچائی نہ بتاتا تو میں تو ساری عمر اُن لوگوں سے نفرت کرتی رہتی۔'' راقب کا خیال آیا تو دل عجیب انداز میں دھڑکا۔ راقب جس نے سب کچھ دیکھا' برداشت کیا ہے اگر وہ اتنا کہہ گیا تو غلط نہیں ہے وہ۔

راقب کے لیے دل میں پوزیٹو پوائنٹ جنم لینے لگے اچھا تو وہ پہلی نظر میں لگا تھا مگر اپنی نیچر کی وجہ سے کھڑوس بھی لگا تھا مگر اس کا رویہ اگر غلط تھا تو ٹھیک ہی تھا اور اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی دادو' تائی اماں اور پھپو سے راقب کی دلہن بنانے پر راضی تھیں یہاں پر تو سب لوگ اچھے تھے نرم خو اور مخلص......

''یااللہ میں کیا کروں؟ میری مما نے گزشتہ پندرہ برس سے میرے ذہن میں جو ڈالا میں نے تو وہ سچ سمجھا اور ان لوگوں کے ساتھ اتنی بدتمیزیاں کیں۔'' پچھتاوے کے احساس سے وہ رونے لگی شاید سحری کا ٹائم ہوگیا تھا وہ رات بھر اسی طرح سوچتی رہی تھی۔ نہ جانے دل میں کیا آیا اٹھ کر ٹی وی آن کرلیا۔ سحری کی نشریات اسٹارٹ ہوچکی تھی' نماز اور روزہ کے بارے میں مقرر بیان دے رہے تھے۔ وہ کچھ دیر سنتی رہی پھر ٹی وی بند کرکے اٹھی اور باتھ روم میں گھس گئی۔

برآمدے میں دسترخوان لگا ہوا تھا اور سب لوگ سحری کرنے میں مصروف تھے۔

''ارے آجاؤ بیٹی!'' رقیہ بیگم کی نظر اس پر پڑی تو آواز دی' سب نے نگاہ اٹھائی۔ پہلی بار چھوٹے سے اسکارف کو پھیلا کر سر پر اوڑھے وہ کھڑی تھی۔ راقب نے بے نیازی سے دیکھا اور دوبارہ سر جھکا کر کھانے میں مصروف ہوگیا۔ دادو کچھ خفا خفا سی تھیں بنا کچھ بولے کھا رہی تھیں جب کہ پھوپو ہمیشہ کی طرح میٹھی مسکان ہونٹوں پر سجائے اسے ایک ایک چیز پیش کررہی تھیں۔

''پھپو آپ کتنی اچھی ہو۔'' اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ سحری کا ٹائم ختم ہوا تو نزل نے افرحہ کی طرف پانی کا گلاس بڑھایا۔

''نزل! پہلے پانی اسے دو جسے روزہ رکھنا ہے۔'' راقب نے نزل کو مخاطب کرکے پس پردہ افرحہ پر چوٹ کی۔

سحری سے فارغ ہوکر سب نماز پڑھنے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے' نزل دادو کے ساتھ نماز پڑھتی تھی وہ وضو کرکے ان کے کمرے میں آ گئی۔ حلیمہ بیگم کے ساتھ

نرل نیت باندھنے والی تھی کہ افرحہ آ گئی۔

"نرل پلیز مجھے کوئی بڑا دوپٹہ دے دو میں نے نماز پڑھنی ہے۔" افرحہ کے ساتھ حلیمہ بیگم نے بھی چونک کر حیرت سے اسے دیکھا۔

"پہلے ڈھنگ کے کپڑے پہن کر آؤ۔" حلیمہ بیگم نے اس کی جینز اور چھوٹی سی شرٹ کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"وہ تو نہیں ہیں میرے پاس۔" خلاف توقع سر جھکا کر شرمندگی سے بولی۔

"او کے آؤ میں تمہیں اپنے کپڑے دیتی ہوں۔" نرل نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کا ہاتھ تھام کر اپنے کمرے میں لے آئی۔ لانگ شرٹ' ٹراؤزر اور بڑے سے دوپٹے میں وہ اچھی لگ رہی تھی۔

"دادو میں ابھی گھر نہیں جاؤں گی۔" نماز پڑھنے کے بعد وہ حلیمہ بیگم کے پاس آ کر دھیمے لہجے میں بولی۔

"اچھا۔" حلیمہ بیگم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"دادو آپ ناراض ہیں ناں مجھ سے؟ ہونا بھی چاہیے کیوں کہ میں نے آپ لوگوں کے ساتھ بہت بدتمیزی کی۔ پلیز دادو مجھے معاف کردیں۔" وہ حلیمہ بیگم کا گھٹنا پکڑ کر رو پڑی۔ "میں حقائق سے لاعلم تھی دادو!" حلیمہ بیگم نے غور سے اس معصوم سی لڑکی کو دیکھا کہ گزشتہ رات جس کی آنکھوں سے شعلے لپک رہے تھے آج...... آج کتنی نرم اور معصوم لگ رہی تھی۔

"دادو مجھے تو کچھ پتا ہی نہیں تھا اور یہ سب کچھ ری ایکٹ کرنے میں میرا کوئی قصور بھی نہ تھا' گزشتہ پندرہ سالوں سے جو بات مسلسل میرے دل و دماغ میں بٹھائی جارہی تھی میں اس کو سچ سمجھوں گی ناں۔" وہ روتے ہوئے اعتراف کررہی تھی۔ حلیمہ بیگم نے آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگالیا' ان کی آنکھیں نم ہوگئیں' نرل کو بھی رونا آ گیا۔

"مجھے اب صحیح غلط کا پتا چل گیا ہے' میں بہت شرمندہ ہوں۔" وہ برابر روئے جارہی تھی۔

"بس کرو میری بچی تم ہمارا خون ہو میرے بیٹے کی اولاد۔ تم مجھے بہت عزیز ہو ہمیشہ میرا دل تڑپتا تھا تم سے ملنے کو مگر تمہاری ماں کی وجہ سے چپ ہوجاتی مگر اس بار میں نے بصیر احمد سے کہا کہ میری زندگی میں مجھے میری پوتی دکھا دو تب اس نے حامی بھری۔" تھوڑی دیر میں رقیہ اور نویدہ بھی آ گئیں۔

"پھپھو! آئی ایم سوری......" نویدہ سے گلے لگ کر وہ بُری طرح سسک پڑی۔ "آپ بہت گریٹ ہو پھپھو! مجھے معاف کردیں پلیز' میں نادان تھی' پاگل تھی۔" وہ زارو قطار روئے جارہی تھی۔ رقیہ سے مل کر بھی خوب روئی۔ راقب کو پتا چلا تو وہ طنز سے ہنس دیا۔

"سارے ڈرامے ہیں اس کے بڑی چلتر اور چالباز لڑکی ہے۔ آخر کس پروڈیوسر نے تیار کرکے بھیجا ہے اسے۔"

"چپ کرو بھائی! وہ بدل گئی ہے۔" نرل کو راقب کی بات پر ہنسی بھی آ گئی۔ افرحہ نے نازش کو فون کرکے بتادیا تھا کہ وہ عید کرکے آئے گی۔

"او کے گڑیا! آتے وقت مال ضرور لانا اپنی دادو کی تجوریوں کا۔" نازش نے کہا تو افرحہ ماں کی سوچ پر کف افسوس مل کر رہ گئی۔

آج افرحہ نے روزہ بھی رکھا تھا' عصر کی نماز کے بعد جب خواتین کچن میں تھیں افرحہ دادو کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ وہ دادو جسے وہ ظالم سمجھتی تھی قریب سے محسوس کیا تو کتنی حلیم اور متین لگی تھیں۔ اس نے دادو کا نرم و نازک ہاتھ تھام لیا۔

"دادو آپ کتنی پیاری ہیں۔" غور سے ان کے ملیح چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو حلیمہ بیگم مسکرادیں۔ اسی لمحے راقب اندر آیا' فیروزی لانگ شرٹ پر وائٹ چوڑی دار پاجامہ اور وائٹ بڑے سے دوپٹے میں وہ بالکل مختلف لگ رہی تھی۔

"دادو یہ گئی کیوں نہیں؟" راقب نے حقارت سے اس کی جانب دیکھ کر سوال کیا۔

"راقب! بیٹا ایسے نہیں کہتے۔" حلیمہ بیگم نے ملامت سے کہا۔

"پلیز دادو اس سے کہیں کہ فوراً یہاں سے چلی جائے' مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتی۔ ہمارے گھر میں بدتمیز لوگوں کی کوئی جگہ نہیں۔ یہاں پر رشتوں کی قدر کی جاتی ہے' بڑوں کی عزت اور چھوٹوں کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ ہمارے یہاں بات کرنے سے پہلے اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ بات کس سے کی جارہی ہے۔"

"بیٹا وہ شرمندہ ہے۔" حلیمہ بیگم بولیں۔

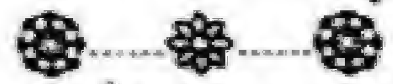
"آپ لوگ آجائیں اس کی ڈرامہ بازیوں میں مگر میں نہیں آسکتا۔ پکی ٹریننگ لے کرآئی ہے اور ٹریز بھی کون ہے اُف......" راقب نے طنز سے ہنس کر کہا۔

"راقب......!" دادو نے سرزنش کے انداز میں کہا۔

"اگر کوئی غلطی مان لیتا ہے تو سچے دل سے معاف کردیتے ہیں بچے۔"

"او کے آپ لوگ کردیں معاف۔" اس نے زہریلی نظر افرحہ پر ڈالی اور کمرے سے نکل گیا۔ افرحہ نم نم آنکھوں سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

دادو نے عید پر افرحہ اور نرمل کے لیے ایک جیسے کپڑے بنوائے تھے۔ افرحہ کے دل میں راقب کے لیے میٹھے جذبے جنم لینے لگے تھے' اسے اکھڑ مزاج راقب اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتی کہ راقب کے دل میں جگہ بنائے' راقب اس کی غلطیوں کو معاف کردے مگر...... راقب اس پر نظر ڈالتا بھی تو زہریلی' بات کرتا بھی تو کوئی نہ کوئی طنز چھپا ہوتا۔ دو دن بعد عید تھی' عید کی خوب تیاریاں ہورہی تھی' افرحہ کا دل بجھا بجھا سا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا راقب کا دل کیسے صاف کرے' باقی سب لوگ تو اسے معاف کرچکے تھے۔



رات اپنے کمرے میں آیا تو ٹیبل پر پیپر ویٹ کے نیچے پھڑ پھڑاتا کاغذ دیکھ کر اٹھا لیا' کھولا تو لکھا تھا۔

"راقب!

میں جانتی ہوں آپ کے دل میں میرے لیے صرف اور صرف نفرت ہے اور کسی حد تک بجا ہے۔ میں جانتی ہوں میری مما نے اس گھر میں رہ کر یہاں کے لوگوں کے ساتھ بہت برا رویہ رکھا۔ مما کی وجہ سے آپ تمام لوگ اسپیشلی نویدہ پھپو کتنی ڈسٹرب رہیں' لیکن مجھے تو ان تمام حالات کا پہلے سے علم نہیں تھا۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ میں کہاں غلط ہوں' میں تو ایک بچی تھی اور ایک بچی کو جب چار سال کی عمر سے ایک ہی بات بتائی جائے ایک ہی رخ دکھایا جائے تو وہ کیا سیکھے گی؟ اور میں نے جب سے ہوش سنبھالا صرف مما اور پاپا کو دیکھا۔ مجھے مما سے ہی پیار رہا' مجھے کیا پتا رشتوں کی اہمیت کیا ہوتی ہے؟ خون کے رشتے کیسے ہوتے ہیں؟ بے شک میں بھی بہت بُری ہوں بدتمیز ہوں' غلط ہوں لیکن اس میں میرا قصور کہاں ہے؟ مجھے جو بتایا گیا میں نے وہ سچ سمجھا میں نے رو رو کر سب سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگ لی سب نے مجھے معاف کردیا لیکن ایک کسک' ایک چبھن اور افسوس ہے کہ آپ کے دل میں جگہ نہ بنا سکی جس کا مجھے ساری زندگی افسوس رہے گا۔ میں آپ پر زبردستی اپنا آپ مسلط نہیں کرسکتی ہاں مگر خود کو تو سزا دے سکتی ہوں اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں ساری زندگی شادی نہیں کروں گی اور جب میری مما مجھے تنہا اور اداس دیکھیں گی تو تب ان کو احساس ہوگا کہ اس درد کا جو دادو نے محسوس کیا' اس کرب کا جو آج تک پھپو محسوس کرتی ہوں گی۔ میں یہ کہنے میں فخر محسوس کرتی ہوں کہ میں اس گھر سے وابستہ ہوں اور...... اور یہ بھی بلا جھجک کہوں گی کہ مجھے آپ اچھے لگتے ہو' میں آپ سے محبت کرنے لگی ہوں۔ میری خوش نصیبی ہوتی کہ اگر میں آپ سے شادی کرکے ہمیشہ ہمیشہ اس گھر میں رہ کر پھپو' دادو اور تائی اماں کی خدمت کرتی لیکن یہ خوشی میرے نصیب میں نہیں یا شاید میں اس قابل نہیں کہ اس گھر کا حصہ بن کر زندگی گزاروں بہرحال یہ کسک اور تکلیف مجھے ساری زندگی رہے گی۔ بس ایک گزارش ہے جاتے جاتے آخری التجا ہے کہ پلیز پلیز مجھے معاف کردیں' کل میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہاں سے چلی جاؤں گی۔"

افرحہ"

"افوہ......!" رات میں دو تین بار خط پڑھا۔ "یہ لڑکی مجھے چاہنے لگی ہے' مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے' اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتی ہے۔" راقب بستر پر لیٹا اس کی ایک ایک بات پر غور کرتا رہا تب اسے احساس ہوا کہ واقعی وہ سچ کہہ رہی تھی ان سب باتوں میں اس کا قصور نہیں تھا۔ وہ تو ریموٹ سے چلنے والی گڑیا تھی جس کا ریموٹ نازش کے ہاتھ میں تھا۔ وہ صبح تک جاگتا رہا' صبح اٹھ کر آفس چلا گیا۔

آج چاندرات تھی خوب گہما گہمی اور عید کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ افرحہ بہت اداس تھی۔ افطار سے کچھ دیر پہلے راقب گھر آیا ایک اچٹتی نظر افرحہ پر ڈالی۔ افرحہ نے نگاہیں چرالیں یقیناً اس نے خط پڑھ لیا ہوگا۔ افرحہ کے دل میں ایک کسک سی اٹھ رہی تھی شاید اسی کو محبت کہتے ہیں' ایسا جذبہ جو اچانک سے جنم لے کر انسان کی نس نس میں سرایت کر جاتا ہے اور جب سامنے سے پوزیٹو جواب نہ ملے تو دل ٹوٹ جاتا ہے' انسان بکھر جاتا ہے۔ افرحہ کی حالت بھی ایسی ہی تھی بظاہر ہنستی مسکراتی افرحہ اندر سے بکھر چکی تھی۔ کل عید تھی اسے واپس لوٹ جانا تھا۔

چاند نظر آ گیا تھا' سب ایک دوسرے کو چاندرات کی مبارک باد دے رہے تھے۔ وہ بھی سب سے ملی اور پھر اپنے کمرے میں آ گئی۔ آنسو مچلنے لگے تھے ایک طرف ماں کی اصلیت سامنے آنے کا دکھ تھا تو دوسری جانب راقب کی سرد مہری اور بے اعتنائی مارے دے رہی تھی۔ کل واپس بھی لوٹ جانا تھا' اتنے اچھے لوگوں سے بچھڑنے کا دکھ الگ تھا۔

"کاش...... کاش! راقب ایک بار ایک بار تم میرے دل میں جھانک کر دیکھ لو۔ میرے روم روم میں تم بس گئے ہو۔" روتے روتے سر اٹھایا تو عین سامنے راقب کھڑا تھا' اس کے ہاتھ میں وہ پرچہ تھا۔

"یہ...... یہ کیا ہے؟" پرچہ نگاہوں کے سامنے لہرایا۔ افرحہ گڑبڑا گئی۔

"آپ نے پڑھا نہیں؟" سوال کیا۔

"پڑھ لیا۔" لہجے میں وہی اکھڑ پن تھا' وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ "اور یہ کیا ہے؟" سامنے رکھے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"یہ میرا سامان ہے' کل میں واپس جا رہی ہوں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی افرحہ کا لہجہ بھیگ گیا۔

"پاگل ہو گئی ہو' یا دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا' اتنا سب کچھ کر کے اب یہاں سے بھاگ بھی رہی ہو؟" لہجہ بدستور اکھڑ تھا۔

"میں نے جو کچھ کیا ہے اس کی معافی مانگ لی ہے ناں۔" نگاہیں اٹھا کر معصومیت سے جواب دیا۔ راقب دو قدم بڑھا کر اس کے مزید قریب ہوا' معصومیت سے نگاہ اٹھائی تو راقب کی نگاہیں اس کی نگاہوں سے ٹکرائیں راقب گڑبڑا گیا۔

"ہاں مانگ لی ہے مگر میں تم کو معاف نہیں کروں گا۔" وہ مزید قریب ہوا۔

"کیا......؟" معصومیت ہنوز برقرار تھی۔ "پلیز راقب!" اس نے ہاتھ جوڑ لیے' بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"ارے ارے......" راقب گڑبڑا گیا۔ بلیک اور ریڈ پرنٹڈ سوٹ میں بڑا سا دوپٹہ شانوں پر ڈالے بالوں کو کیچر میں جکڑے روتی ہوئی معصوم سی افرحہ راقب کے دل میں اترتی چلی گئی۔

"ہاں میں تم کو اتنی آسانی سے جانے بھی نہیں دوں گا وہ بھی چوری کر کے۔"

"چوری کر کے......؟" بڑی بڑی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔

"ہاں پاگل لڑکی پچھلے ایک ہفتے سے میرا دل چرا کر بیٹھی ہو اور اب واپس بھی جا رہی ہو۔" راقب سے مزید برداشت نہ ہوا تو شہد آگیں لہجے میں بولا۔

"جی...... جی......!" حیرت اور بے یقینی کے امتزاج نے اس کو مزید حسین بنا دیا تھا۔

"جی جناب! اپنی تمام تر بدتمیزیوں کے ساتھ تم مکمل

طور پر میرے دل پر قابض ہوچکی ہو اگر تم میرے بنا نہیں رہ سکتیں تو میں بھی اس نک چڑھی اور بدمزاج لڑکی کے بغیر نہیں رہ سکتا۔'' خوب صورت اعتراف پر افرحہ کے حسین چہرے پر قوس وقزح چھا گئی۔ اچانک ہی اتنی بڑی خوشی مل گئی تھی جس کا سنبھالنا مشکل لگ رہا تھا۔ راقب بڑی پیار بھری نظروں سے اس کے معصوم سے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا' ابھی کچھ دیر پہلے کی اداسی نہ جانے کہاں گم ہوچکی تھی اس وقت اس کے چہرے پر دلکش مسکراہٹ تھی۔

''آئی لو یو۔'' وہ بولی۔

''آئی لو یو ٹو پگلی!'' اس نے قریب آکر شرارت سے افرحہ کا سر ہلایا۔



گھر میں چاند رات کے حسین ہنگاموں میں یہ بھی طے پایا کہ عید کے دن راقب اور افرحہ کا نکاح بھی کردیا جائے گا یہ سن کر نازش کو پتنگے لگ گئے مگر اس بار بصیر احمد نے مرد ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے فیصلہ سنادیا۔

پچھلے بیس سالوں میں یہ پہلی عید تھی جو افرحہ کے لیے انوکھی اور خوب صورت تھی۔ نزل نے رات کو ہی سب کے کپڑے پریس کرکے رکھ دیئے تھے۔ فجر کی نماز کے بعد رقیہ اور نویدہ شیر خورمہ اور عید کے پکوان کی تیاریوں میں لگ گئے' نہا دھو کر مرد نماز پڑھنے چلے گئے تو ان کے آنے تک خواتین ناشتا تیار کرکے نہا دھو کر تیار ہوگئیں۔ نزل اور افرحہ نے ایک جیسے کپڑے پہنے تھے' میرون اور گرین کومبی نیشن والے بھاری جدید طرز کی لانگ فراک اور چوڑی دار پاجامے پر میچنگ نازک سی جیولری اور بڑے سے دوپٹے کو سیٹ کرکے' ہلکے میک اپ میں افرحہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ راقب اور صغیر احمد عید کی نماز پڑھ کر آئے تو پہلے حلیمہ بیگم نے اور پھر صغیر احمد نے سب میں عیدی تقسیم کی۔ گرے سلک کے ہلکی ایمرائیڈری والے کرتے' وائٹ چوڑی دار پاجامہ اور گرے کھسّے میں راقب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ راقب اور افرحہ نے ایک دوسرے کو عید کا سلام کیا۔

''گلے نہیں ملو گی؟'' راقب کی سرگوشی پر افرحہ بلش ہوگئی۔

ناشتے کے بعد افرحہ کچھ دیر کے لیے اپنے کمرے میں آگئی پاپا تو آنے والے تھے مگر مما نے صاف انکار کردیا تھا کہ وہ یہاں نہیں آئیں گی کیوں کہ انہیں افرحہ اور راقب کے نکاح پر شدید اعتراض تھا۔ افرحہ نے مما سے بات بھی نہیں کی تھی لیکن اسے کچھ کچھ افسوس بھی ہورہا تھا آخر کو وہ ماں تھیں۔ بصیر احمد کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ ان سے ملنے ڈرائنگ روم میں آگئی اندر کی صورت حال اس کے لیے غیر یقینی اور حیران کن تھی۔ نازش حلیمہ بیگم کے پیر پکڑے زاروقطار رو رو کر معافیاں مانگ رہی تھیں اور حلیمہ بیگم نے اٹھ کر ان کو گلے لگالیا۔

''نویدہ میری بہن تم بھی مجھے معاف کردو۔'' نویدہ کے گلے لگ کر بھی نازش رودیں' وہ اپنی غلطیوں پر سخت پشیمان تھیں۔ انہیں احساس ہوگیا تھا جب ان کو یہ پتا لگا کہ افرحہ اب لوٹ کر نہیں آئے گی تب انہیں اولاد کی دوری کا احساس ہوا اور وہ اپنی غلطیوں کی تلافی کرنے خود ہی بصیر احمد کے ساتھ چلی آئی تھیں۔

''یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میری زندگی میں میرا گھر مکمل ہوگیا ہے۔'' حلیمہ بیگم روتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کررہی تھیں' کمرے میں خوشیاں منائی جارہی تھیں۔ آج صحیح معنوں میں عید کا دن ''عید کا دن'' لگ رہا تھا۔ راقب نظر بچا کر افرحہ کا ہاتھ تھام کر اسے باہر لے آیا۔

''میری عیدی۔'' افرحہ نے ہاتھ آگے کرکے اس سے عیدی طلب کی۔ راقب نے جذب سے اس کا ہاتھ تھام کر اس کی پشت پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے۔ پیار کی پہلی نشانی ''پہلی عیدی'' افرحہ کو جان سے پیاری تھی۔ افرحہ نے ایک خوب صورت نگاہ اپنے ہاتھ پر ڈالی اور عین اسی جگہ اپنے ہونٹ رکھ کر جواباً ''عیدی دے دی!''

